عورت کی حکمرانی
از
استاذ العلماء، حضرت العلامہ
مولانا عطا محمد صاحب چشتی گولڑوی بندیالوی دامت برکاتہم

پیش لفظ

گر خبر داری زحی لایموت — بر دہان خود بزن مہر سکوت (ذوق جلال)

زیر نظر کتاب کے مصنف کی ذات ستودہ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں

آفتاب آمد دلیل آفتاب

علامہ موصوف آنجناب مسلم شریف کی اس حدیث کے کامل تر مصداق ہیں جس میں سرکار عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو محبوب اور پسند فرما لیتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ، چنانچہ جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر آسمان میں ندا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اسے دوست رکھو، چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین میں مستقر کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد عرض یہ ہے کہ اس پُرفتن دور میں حضرت قبلہ استاذی المکرم علامہ عطا محمد صاحب بندیالوی مدظلہ العالی نے اپنا نہایت ہی قیمتی وقت نکال کر تین اہم مسئلوں پر قرآن و سنّت کی روشنی میں بحث فرمائی ہے۔

(۱)۔ آجکل جو مسئلہ منظر عام پر ہر شخص کا ورد زبان بنا ہوا ہے کہ عورت کی حکمرانی جائز ہے یا ناجائز۔

(۲)۔ مسئلہ امامت کبریٰ پر بحث فرمائی ہے کہ شرعی امام میں کون کون سی شرائط پائی جاتی ہیں اگر امام میں شرعی شرائط پائی جاتی ہوں تب تو ہماری موت مسلمانوں والی موت ہے اگر نہ پائی جاتی ہوں تو ہماری موت ابوجہل والی موت ہے۔

(۳)۔ جمعیت علمائے پاکستان میں جو اختلاف ہوا ہے آپ نے قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔ حضرت علامہ بندیالوی صاحب کی ذاتِ گرامی کے متعلق ایک طرف تو بریلوی مکتب فکر کے لوگ ثنا خواں ہیں تو دوسری طرف دیو بندی طبقہ کے اکابر علماء آنجناب کے علم و عرفان کے ثنا خواں نظر آتے ہیں۔ یاد رکھیے ایسی عالمگیر مقبولیت کی حامل ہستیاں دنیا میں بہت کم ہوا کرتی ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

گو کہ آنجناب کے حالات اور علم کو منظر عام پر لانا ایک مشکل کام ہے مگر اس ناچیز کو آپ کے ساتھ رہنے سے نقاب کشائی ہوئی ہے آنجناب کے فیوض و برکات سے ایک عالم مستفیض ہوا اور علم و عرفان کی ہزار دل پیاسی روحوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنی پیاس بجھائی، نیز تصنیف کے سلسلے میں اس سے قبل آپ کی چار کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں سے رویت ہلال کی شرعی تحقیق، قوالی کی شرعی حیثیت، دیۃ المرأۃ مندرجہ بالا کتابیں متلاشیانِ حق کے لیے خضر راہ کا کام دیتی ہیں چنانچہ زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی کڑی دلیل ہے کہ اہم مسائل کو نہایت محققانہ اور منصفانہ انداز میں بیان فرما کر مسلمانوں کے مابین اختلاف اور تشدد کو کافی حد تک ختم کرنے میں آنجناب نے ایک زریں اسلامی خدمت سرانجام دی ہے۔

جزاہ اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر المسلمین

فقط

ناچیز دعا گو نذر حسین جہلمی (متعلم)

۴ ذی القعد بروز منگل ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۹۰ء

حضرت سیدنا علی الہجویری المعروف
حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے
سالانہ عظیم الشان عرس کے موقع
پر کتاب "عورت کی حکمرانی" از
شیخ المنطق حضرت علامہ عطاء محمد بندیالوی
گولڑوی مدظلہ العالی حضرت علامہ الحاج
قاری کرم الدین خطیب جامع
مسجد حنفیہ رضویہ مین بازار مجاہد آباد
کی خدمت اقدس میں تحفتاً پیش
کرنے کی سعادت حاصل کر رہا
ہوں۔ پرخلوص دعاؤں
میں یاد رکھیں

والسلام علی سید المرسلین
محمد سعید مجاہد آباد
۱-۲۱ اگست ۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ والسلام علی اھلہما۔ امابعد آجکل علماء
ومشائخ کے درمیان عورت کی حکمرانی پر بڑی بحث اور لے دے ہو رہی ہے۔
اس فقیر عطا محمد چشتی گولڑوی نے اس بحث پر منصفانہ اور خالی الذہن ہو کر غور کیا
ہے تو بندہ کو معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر جو بحث اخبارات میں ہو رہی ہے یہ یا تو ذاتی
عناد پر مبنی ہے اور یا اس مسئلہ سے ناواقفی پر مثلاً مولوی منظور احمد چنیوٹی کا
ایک بیان بندہ نے اخبار میں پڑھا ہے کہ "اگر غلام مصطفےٰ کھر کو وزیر اعظم بنا دیا جائے
تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں"۔ اور اسی طرح جناب جتوئی کا بیان اخبار میں شائع ہوا ہے کہ
"ہم بھٹو خاندان کو مجبور کریں گے کہ وہ اپنے خاندان کے کسی مرد کو وزیر اعظم مقرر کرے"
ان ہر دو بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان ہر دو صاحبان کا علم شرعی صرف اتنا ہے کہ صرف
کوئی عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی اور ہر مرد سربراہ مملکت ہو سکتا ہے۔ یہ امر شرع
شریف سے جہالت پر مبنی ہے جیسا کہ کوئی عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی، ہر مرد
بھی سربراہ مملکت نہیں ہو سکتا، بلکہ مرد کے لیے بھی شرع شریف نے شرائط ذکر فرمائی
ہیں تو وہ مرد سربراہ مملکت ہو گا جو ان شرائط کا حامل ہو، اور اگر وہ صرف مرد ہے اور
کوئی شرط اس میں مفقود ہے تو وہ مرد سربراہ مملکت نہیں ہو سکتا اور اگر وہ کسی ذریعہ
سے برسر اقتدار آگیا تو یہ شرع شریف میں باغی کہلائے گا۔ بعض اکابرین نے صدر ایوب
ذوالفقار بھٹو اور ضیاء الحق کے دور حکومت میں یہ فرمایا تھا کہ ان سربراہان حکومت
کے ساتھ ہمارا اختلاف صرف اس وجہ سے ہے کہ ان حکمرانوں نے باوجود قدرت کے
نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ علی آلہ کو پاکستان میں نافذ نہیں کیا اگر یہ نظام اسلامی نافذ کر

دیتے تو ہم ان کو سربراہ تسلیم کر لیتے اور ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اکابرین کے
اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر حکمران مرد نظام مصطفےٰ صلی اللہ علی صاحبہ السلام کو نافذ کر
سکتا ہے حالانکہ یہ قول شرع شریف کے بالکل خلاف ہے۔ اگر مذکورہ بالا حکمران پاکستان
میں نظام شرعی نافذ کر دیتے تو یہ اس طرح ہوتا جیسا امریکہ، فرانس اور ماسکو کے حکمران
اپنے اپنے ملکوں میں نظام شرعی نافذ کر دیں۔ تو یہ حکمران ان کے ملکوں میں بسنے والے
مسلمانوں کے شرعی امام ہرگز نہ ہوں گے۔ اسی طرح پاکستان کے مذکورہ بالا حکام اگر
پاکستان میں نظام شرعی نافذ کر دیتے تو یہ لوگ پاکستانی مسلمانوں کے شرعی امام ہرگز
نہ ہوتے۔ اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے جس کا جواب ضروری ہے۔ اشکال یہ ہے کہ
بندہ نے مذکورہ بالا پاکستانی حکام کو امریکہ وغیرہ کے حکام سے تشبیہ دی ہے تو یہاں وہم
ہوتا ہے کہ شاید بندہ ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ تو جواب یہ ہے کہ حاشا و کلّا بندہ کا یہ
مطلب نہیں ہے بندہ کے نزدیک مذکورہ بالا پاکستانی حکام پکے مسلمان ہیں تشبیہ کا مقصد
یہ ہے کہ ہر مرد شرعی امام نہیں ہو سکتا۔ شرعی امام کے لیے متعدد شرائط ہیں۔ بعض شرائط
امریکی حکام میں مفقود ہیں اور بعض اور شرائط پاکستانی حکام میں ناپید ہیں۔ بندہ جب
شرعی امام کے شرائط ذکر کرے گا تو اس اشکال کے جواب کی طرف اشارہ کرے گا۔
اخبار نوائے وقت جو کہ نہایت سنجیدہ اخبار ہے اس سے بھی اس قسم کی ایک کوتاہی ہوئی
ہے۔ ملاحظہ ہو اخبار مذکور نے اپنی ایک اشاعت میں صدر ضیاء الحق مرحوم پر یہ تنقید
کی تھی کہ "اس نے گیارہ سال بلا شرکت غیرے پاکستان پر حکومت کی ہے وہ نظام اسلامی
نافذ کر سکتا تھا اگر وہ نافذ کر دیتا تو قیام پاکستان کا مقصد پورا ہو جاتا حالانکہ صدر مرحوم
کا اوڑھنا، بچھونا اسلام تھا۔" نوائے وقت سے یہاں کوتاہی یہ ہوئی ہے کہ اگر صدر مرحوم
اسلامی نظام نافذ کر دیتا تو قیام پاکستان کا مقصد ہرگز ہرگز پورا نہ ہوتا کیونکہ شرع شریف
نے صدر مرحوم کو اسلامی نظام نافذ کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

اسلامی نظام نافذ کرنے کا اختیار صرف اور صرف شرعی امام کو ہے اور صدر محمد ضیاء الحق
شرعی امام نہ تھے اور اس کو بندہ آگے چل کر دلائل سے ثابت کرے گا۔ اور قیام پاکستان
کا مقصد اس نظام اسلامی کا نفاذ ہے جس کو شرعی امام نافذ کرے۔ تو اگر صدر مرحوم
اسلامی نظام نافذ کر دیتے تو مقصد پاکستان پورا نہ ہوتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی
عورت شرعی امام اور سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ صحابیہ ہی کیوں نہ ہو باقی
رہا مرد تو ہر مرد بھی شرعی امام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ مرد شرعی امام ہو سکتا ہے جو ان شرائط
کا حامل ہو جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیں اور
جن پر اجماع امت ہے۔ بعض لوگ عورت کی حکمرانی پر جنگ جمل سے دلیل لاتے ہیں
کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اس کی سربراہ تھیں تو یہ دلیل غلط ہے کیونکہ ہمارا
دعویٰ یہ ہے کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی، نہ کہ مطلق سربراہ نہیں ہو سکتی اور
جنگ جمل کے موقع پر سربراہ مملکت یا تو مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے اور یا حضرت سیدنا
امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سربراہ مملکت اور
شرعی امام نہ تھیں زیادہ سے زیادہ سربراہ عسکر ضرور تھیں اور یہ عہدہ مرد کے ساتھ
مختص نہیں ہے بلکہ عورت بھی اس عہدہ پر فائق ہو سکتی ہے جیسا کہ کتب مذہب میں
مصرح ہے کہ عورت چیف جسٹس ہو سکتی ہے۔ بندہ نے یہاں تک جو ذکر کیا ہے بعض جدید
ذہنوں کو ان پر اعتراض ہو گا لیکن بندہ ان تمام امور پر ایسے دلائل ذکر کرے گا کہ کسی
مسلمان کو اس میں کوئی شک نہ ہو گا اور بندہ کے اس مضمون کا مخاطب صرف مسلمان
ہے جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان
ہے اس مضمون کا مخاطب مطلق جدید ذہن نہیں ہے جس کے نزدیک عقل خدا اور رسول
سے بھی مقدم ہے۔ یہاں تک بندہ نے مرد اور عورت کی حکمرانی کی تمہید ذکر کی ہے
اور اب بندہ چند مقاصد ذکر کرتا ہے۔

مقصد اوّل :- شرح عقائد علم عقائد کی مستند اور مشہور کتاب ہے جو کہ درس نظامی کا حصہ ہے اور اس کا مصنف علامہ نسفی ہے جو کہ حنفی اور صاحب ہدایہ کا استاد ہے اور علامہ زمخشری کا ہمعصر ہے اور شارح علامہ تفتازانی ہے جو کہ تعارف کا محتاج نہیں، یہاں بندہ امامت شرعی کے مسئلہ پر متن اور شرح ہر دو کی عبارت نقل کرتا ہے۔ عقائد نسفی میں ہے۔ (ثم الاجماع علی ان نصب الامام واجب) خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے مکاتب فکر کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنا امام منتخب کریں۔ اب اس عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ تمام مکاتب فکر اسلامیہ کا نصب امام پر اجماع ہے یا کہ بعض مکاتب فکر کا، صاحب نبراس نے اس ابہام کی وضاحت اس طرح کی ہے۔ (اراد اجماع اهل سنّت والشیعه والمعتزلة لا اهل سنّت فقط والغرق کلها لان الخوارج لایوجبونه) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امام کے انتخاب کے وجوب پر جو اجماع ہے تو اس اجماع سے نہ تو فقط اہل سنّت کا اجماع مراد ہے اور نہ تمام مکاتب فکر اسلامیہ کا اجماع، بلکہ اس اجماع سے اہل سنّت اور شیعہ اور معتزلہ کا اجماع مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہل سنّت، شیعہ اور معتزلہ یہ تینوں اس پر متفق ہیں کہ امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور جتنے اسلامی فرقے ہیں ان سے صرف خوارج اس وجوب کے منکر ہیں اب اہل سنّت، شیعہ اور معتزلہ کے درمیان مابہ الاشتراک تو یہ ہوا کہ تینوں گروہ اس پر متفق ہیں کہ امام کا مقرر کرنا واجب ہے۔ اس کے بعد ماتن نے تینوں کے درمیان مابہ الامتیاز بایں الفاظ ذکر کیا (وانما الخلاف فی انه یجب علی الله او علی الخلق بدلیل سمعی او بدلیل عقلی) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ تینوں گروہ اس امر پر تو مجتمع ہیں کہ امام کا تقرر واجب ہے لیکن ان کے درمیان اختلاف

اس میں ہے کہ امام کا تقرر اللہ تعالیٰ پر واجب ہے یا کہ مخلوق پر واجب ہے شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اہل سنّت اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ مخلوق پر واجب ہے اب ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اہل سنّت کے نزدیک دلیل نقلی یعنی کتاب و سنّت اور اجماع سے ثابت ہے۔ اور معتزلہ کے نزدیک یہ وجوب عقل سے ثابت ہے کیونکہ معتزلہ عقل کو بھی حاکم مانتے ہیں۔ بخلاف اہل سنّت کے کہ یہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مانتے ہیں نہ کہ عقل کو۔ کسی نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے عقل قربان کن بہ پیش مصطفٰے ـــ اس کے بعد علامہ نسفی نے اہل سنّت کے مذہب پر تین دلائل نقل کیے ہیں۔

دلیل اوّل :- (لقوله علیه السلام من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جو بھی آدمی اس حالت میں مرا کہ وہ اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانتا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

علامہ نبراس نے اپنے زمانہ کا امام نہ پہچاننے کی دو صورتیں ذکر کی ہیں۔ مُلاحظہ ہو (سواء کان فی زمانه امام ولم یعرفه اولم یکن فی زمانه امام اصلاً) یعنی امام زمانہ نہ پہچاننے کی دو صورتیں ہیں۔ اوّلؔ یہ کہ اس کے زمانہ میں امام تو ہے لیکن وہ اسے جانتا نہیں ہے۔ دوّمؔ یہ کہ اس کے زمانہ میں امام بالکل ہے ہی نہیں۔ نبراس اور اس کے حاشیہ میں جاہلیت کی موت کی یہ تفسیر کی گئی ہے۔ (والجاهلیة هی الحالة التی کان الناس علیها قبل الاسلام علی ضلال) یعنی جاہلیت سے مراد وہ گمراہی ہے کہ اسلام سے قبل لوگ اس پر تھے۔ نبراس میں ہے (وفیه تشدید عظیم) یعنی

اس حدیث شریف میں بڑا سخت حکم ہے کہ ایک مسلمان نے شرع شریف کے تمام
احکام کی پوری پابندی کی ہے لیکن امام کے انتخاب میں کوتاہی کی اور امام منتخب نہ
کیا تو اس کی موت گمراہی پر ہے۔ اب اس وعید میں مسلمانوں کے تمام طبقات داخل
ہیں۔ عوام مسلمان اور علماء اور مشائخ جو بھی اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانتا اس
کی موت گمراہی کی موت ہے۔ اب اس میں تشدید اور سختی واضح ہے۔

دلیل دوم :۔ (ولان الامۃ قد جعلوا اھم المھمات بعد
وفات النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نصب الامام حتی قدموہ
علی الدفن وکذا بعد موت کل امام من الخلفاء الراشدین ومن بعدھم
وھذا اجماع علی کون النصب من المھمات) (عقائد نسفی و نبراس)

خلاصہ دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ
کرام کے نزدیک سب سے بڑا مقصد امام کا تقرر تھا تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
نے امام کے تقرر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن پر مقدم کیا اور اسی طرح
خلفاء راشدین اور ان کے بعد جو ائمہ گذرے ہیں ہر ایک کے دفن سے قبل مسلمانوں
نے تقرر امام کیا۔ اب ساری امت کا اس پر اجماع ہو گیا کہ امام کا تقرر بڑے مقاصد
سے ہے۔ اب قارئین غور کریں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تقرر امام کو دفن پر
اس لیے مقدم کیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی بغیر امام کے ہونا گناہ سمجھتے تھے۔ دوسری
وجہ یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام امام کے متعلق جلدی نہ کرتے تو اس دوران جو مسلمان
فوت ہو جاتا اس کی موت جاہلیۃ اور گمراہی کی موت ہوتی اور واجب ترک کر کے
مرتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے امام کے متعلق عجلت سے کام کیا
بعض اہل بدعت یہاں صحابہ کرام پر اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات ایک بڑا المیہ تھا لیکن صحابہ نے اس کی پرواہ نہ کی اور خلافت اور سلطنت

میں مشغول ہو گئے تو اس کے دو جواب ہیں۔

جواب اوّل :۔ اس دور کی خلافت اور حکومت پھولوں کی سیج
نہیں تھی بلکہ کانٹوں کا بچھونا تھا۔ صحابہ کرام نے جو تقرر امام میں جلدی کی تو
اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کو حکومت اور سلطنت کے ساتھ کوئی دلچسپی تھی بلکہ
ان کا مقصد یہ تھا کہ اس دوران مرنے والوں کی موت اسلامی موت ہو اور
وہ جاہلیت کی موت سے محفوظ رہیں۔

جواب دوم :۔ جب کسی مسلمان کی وفات واقع ہو تو جنازہ
پڑھانے کا حق لبا اوقات امام کو ہوتا ہے اور امام کے بعد کوئی دوسرا جنازہ
پڑھانے کا مستحق نہیں ہوتا تو صحابہ کرام نے امامت اور خلافت میں جلدی
اس لیے کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری جنازہ امام اور خلیفہ پڑھائے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت جنازے پڑھے گئے۔ لیکن آخری جنازہ سیدنا
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھا اور اس کے بعد کوئی جنازہ نہیں پڑھا گیا۔
اب بندہ ایک نہایت ثقیل چیز یہاں ذکر کرتا ہے۔ اگرچہ بندہ کو علم ہے کہ بعض احباب
کو اس پر شدید اعتراض ہو گا لیکن بندہ کے نزدیک اللہ تعالےٰ جل شانہ اور
آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہر ایک پر مقدم ہے وہ ثقیل چیز یہ ہے کہ اس
وقت پاکستان کے مسلمان اور ان کے آباء و اجداد مشائخ اکابرین تقریباً پانچ صد
سال ماضی میں بغیر امام گزرے ہیں اور بظاہر ان کی موت جاہلیت کی موت
ہے لیکن موجودہ دور کے مسلمانوں نے کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی کہ ہم اس
واجب کو ادا کریں جو کہ ہمارے اکابرین سے متروک چلا آرہا ہے بندہ نے قبل
ازیں جو اسلاف اور اکابرین کے متعلق یہ کہا ہے کہ بظاہر ان کی جاہلیت کی موت
ہے تو اس کا جواب بندہ آئندہ ذکر کرے گا۔ کہ اسلاف اور اکابرین تقرر امام میں

معذور تھے لیکن یہ جواب موجودہ دور کے عوام مسلمان اور علماء اور مشائخ کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ لوگ تقررِ امام میں کامل مختار ہیں اور یہ چیز بندہ آئندہ دلیل سے ذکر کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب یہاں تک تقررِ امام کے وجوب پر دو دلیل ذکر کی گئی ہیں۔ اوّل حدیث شریف اور دوم اجماع صحابہ کرام اور ان کے بعد اجماع دوسرے مسلمانوں کا۔

دلیل سوم :۔ (ولان کثیراً من الواجبات الشرعیۃ یتوقف علیہ ای علیٰ نصب الامام وقد تقرر فی اصول الفقہ ان ما یتوقف علیہ الواجب فھو واجب) خلاصہ دلیل سوم یہ ہے کہ بہت واجبات شرعی ہیں کہ وہ نصب امام پر موقوف ہیں مثلاً جہاد اور حدود اور اظہار شعائر اسلام مثل عید اور جمعہ کی یہ سب واجب ہیں اور تقررِ امام پر موقوف ہیں اور تقررِ امام موقوف علیہ ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ واجب جس پر موقوف ہو وہ موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے تو تقررِ امام واجب ٹھہرا۔ جس سے تمام مسلمان خواص و عوام پانچ صد سال سے محروم چلے آرہے ہیں۔ یہاں تک بندہ نے اہل سنت کے مذہب کے مطابق تین دلیل سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں پر تقررِ امام واجب ہے اور اس کے بغیر مسلمان کی موت جاہلیت اور گمراہی کی موت ہے۔ اور یہ تقررِ اتحاد اہل سنت کے بغیر مشکل ترین ہے۔ لیکن ہمارے عوام اور مشائخ اور علماء انتشار کے درپے ہیں اور بعض لوگوں کو اس لیے برداشت نہیں کرتے کہ ان کے ساتھ ان کی ذاتی رنجش ہے اور اس رنجش کی تسکین کے لیے باغیوں کا ساتھ دے رہے ہیں اور نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہے ہیں حیرت یہ ہے کہ اس کے باوجود نفاذ نظام مصطفےٰ اور تحفظ شان مصطفےٰ ان کا نعرہ ہے جو کہ ان کے عمل کے متصادم ہے در مختار اور شامی میں بھی امامت کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے اب بندہ ان کتابوں سے کچھ ذکر

کرتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ (ھی صغریٰ وکبریٰ فالکبریٰ استحقاق تصرف عام علی الانام وتحقیقہ فی علم الکلام ونصبہ اھم الواجبات فلذا قدم علی دفن صاحب المعجزات) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امامت دو قسم ہے۔ اوّل امامت صغریٰ کہ نماز کی امامت کرنا ہے اور لوگ نماز میں اس کی اتباع کرتے ہیں۔ دوّم امامت کبریٰ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ جس کو اس امر کا حق ہو کہ اس کا تصرف لوگوں پر عام ہو اور بندہ جو یہاں جس امامت پر بحث کر رہا ہے یہ امامت کبریٰ ہے اور امام کا انتخاب بڑے اعلیٰ واجبات سے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت کے دفن سے امامت کا مسئلہ پہلے طے کیا۔ تو نصب امام اگر اعلیٰ واجبات سے نہ ہوتا تو صحابہ کرام اس کو دفن سے مقدم نہ کرتے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے فرمایا کہ امامت کی تعریف شرح مقاصد میں اس طرح ہے (انھا ریاسۃ عامۃ فی الدین والدنیا خلافۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خلاصہ تعریف یہ ہے کہ امام اس رئیس کو کہتے ہیں جو کہ دین اور دنیا ہر ایک میں رئیس ہو اور یہ اس لیے ہوا کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلیفہ اور نائب ہے۔ ہر دو تعریف سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک سربراہ مملکت ہوتا ہے اور دوسرا سربراہ حکومت شرعی امام سربراہ مملکت اور صدر ہوتا ہے نہ کہ سربراہ حکومت کیونکہ سربراہ مملکت اور صدر اکیلا سربراہ حکومت کو معزول کر سکتا ہے برخلاف سربراہِ حکومت کے کہ وہ اکیلا صدر اور سربراہ مملکت کو معزول نہیں کر سکتا۔ تو لوگوں پر تصرف عام صرف سربراہ مملکت کو ہے۔ ان ہر دو میں فرق کرنا لازم ہے۔ ورنہ بہت سی خرابیاں لازم آئیں گی جیسا کہ آگے چل کر بندہ ان خرابیوں کا ذکر کرے گا۔ یہاں تک مقصد اوّل ختم ہوا۔ اب اس مقصد سے چند امور واضح ہوتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

امرِ اوّل :- امام کا انتخاب واضح ہے کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے اور مسلمانوں پر واجب بھی ہے اور واجب یہ شرعی مسئلہ ہے تو معلوم ہوا کہ اسلام میں سیاست اور شریعت ایک ہے اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ شرعی جماعت ہے اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے یا یہ کہ یہ سیاسی جماعت ہے شرعی نہیں ہے یہ فرق شرع شریف سے ناواقفی پر مبنی ہے اور یہ فرق دراصل نصاریٰ کے نزدیک ہے کہ ان کے نزدیک مذہب اور سیاست باہم مغائر ہیں۔

امرِ دوم :- قبل ازیں بندہ ذکر کر چکا ہے کہ کوئی عورت شرع شریف میں سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی باقی رہا مرد تو ہر مرد بھی سربراہ مملکت نہیں بن سکتا بلکہ بعض مرد سربراہِ مملکت ہو سکتے ہیں اور بعض مرد سربراہِ مملکت نہیں ہو سکتے۔ اب یہاں دو پہلو ہیں۔ منفی اور مثبت۔ منفی پہلو تو یہ ہے کہ کوئی عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی، اور مثبت پہلو یہ ہے کہ اگرچہ ہر مرد سربراہ نہیں ہو سکتا لیکن بعض مرد سربراہِ مملکت ہو سکتے ہیں جن میں شرائط پائے جائیں۔

:- اب بندہ یہاں ایک المیہ ذکر کرتا ہے وہ یہ کہ جمعیت علماء پاکستان جس کو جے۔ یو۔ پی کہا جاتا ہے بدقسمتی سے وہ دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے ایک دھڑے کا اجلاس ۲۲ مارچ کو لاہور میں ہوا اور اخباری اطلاع کے مطابق اس اجلاس میں پانچ ہزار علماء اور مشائخ نے شرکت کی، اس اجلاس میں جو علماء اور مشائخ اہلسنّت شریک ہوئے سب کا تعلق جے یو پی یعنی جمعیت علماء پاکستان سے نہیں تھا بلکہ بعض کی مذہبی اور سیاسی جماعتیں جے یو پی کے سوا ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان مختلف الخیال علماء و مشائخ کا اجتماع اور اتحاد کس نکتہ پر ہوا، تو بندہ نے جہاں تک غور کیا تو معلوم ہوا کہ دراصل ان علماء و مشائخ کا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے ساتھ ذاتی رنجش اور عناد ہے اور یہ لوگ اس تاک میں تھے کہ کوئی موقع ملے

تو علامہ نورانی سے اپنے عناد کا بدلہ لیں اب جب علامہ نورانی کے بعض پرانے رفیقوں نے علامہ نورانی کے خلاف بغاوت کی تو ان لوگوں نے موقع کو غنیمت خیال کیا اور حُبِّ علی بغضِ معاویہ کا رول ادا کرتے ہوئے بغاوت کی تائید میں مجتمع ہو گئے اور اس عنادِ باطنی کو یہ رنگ دیا کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی عورت کی سربراہی کو جائز مانتے ہیں حالانکہ یہ محض بہتان ہے۔ علامہ نورانی بارہا اعلان کر چکے ہیں کہ عورت کی سربراہی خلافِ شرع اور ناجائز اور حرام ہے لیکن اس اعلان سے یہ لوگ اس لیے مطمئن نہیں ہوتے کہ ان کا مقصد احقاقِ حق تو نہیں ہے صرف علامہ نورانی پر کیچڑ اچھالنا ہے خواہ اس کا سبب بہتان ہی کیوں نہ ہو۔ اب ۲۲ مارچ کے اجلاس کا المیہ یہ ہے کہ اس اجلاس میں سارا زور اس پر دیا گیا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی یعنی سارا زور خطابت منفی پہلو پر دیا گیا اور مثبت پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا کہ پھر سربراہ مملکت کون ہونا چاہیئے حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ سربراہ کون ہونا چاہیئے کیونکہ قبل ازیں حدیث شریف سے ثابت کیا گیا ہے کہ تقررِ امام واجب ہے اور جس کو اپنے زمانہ کے امام کی معرفت نہیں ہے اس کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہے۔ اب بندہ ان پانچ ہزار علماء اور مشائخ سے دو ٹوک دو سوال کرتا ہوں۔

سوالِ اوّل :- ان پانچ ہزار علماء و مشائخ نے کوئی اپنا امام منتخب کیا ہے یا منتخب کرنے کی کوشش کی ہے یا نہیں، برتقدیرِ اوّل وہ کون ہے جس کو منتخب کیا یا انتخاب کی کوشش کی نام بتلائیے، اور برتقدیرِ ثانی ان پانچ ہزار نے واجب کو ترک کیا ہے کیونکہ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ تقررِ امام واجب ہے۔

سوالِ دوم :- ان پانچ ہزار کو اپنے امام زمانہ کی معرفت ہے یا کہ نہیں۔ برتقدیرِ اوّل یعنی اگر معرفت ہے وہ کون ہے ذرا ہم کو بھی بتلائیے۔ اور برتقدیرِ ثانی ان

پانچ ہزار کی موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہوگی اب المیہ یہ ہے کہ ان پانچ
ہزار کو اپنی موت کی کوئی فکر نہیں ہے کہ ان کی موت اسلامی ہو یا جاہلیت کی۔ اگر ان
پانچ ہزار کو اس امر سے دلچسپی ہوتی کہ ان کی موت اسلامی موت ہو نہ کہ جاہلیت
کی۔ تو ۲۲ مارچ کے اجلاس میں یہ لوگ مثبت پہلو کو نظر انداز نہ کرتے۔ اب بندہ
قارئین کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ باوجود پانچ ہزار کے جم غفیر کے مثبت پہلو کو کیوں نظر
انداز کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ اس جم غفیر کو ان ہر دو مسئلہ کا علم ہی نہیں ہے کہ تقرر
امام واجب ہے یا نہ اور نیز اس کا بھی علم نہیں کہ معرفت امام سے مسلمان کی موت
اسلامی ہوتی ہے اور عدم معرفت سے مسلمان کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے
جب ان کو ان ہر دو مسئلہ کا علم ہی نہیں تو پھر مثبت پہلو پر بحث کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔ اب یہ پانچ ہزار کا جم غفیر اس فقیر اور اس کے ہم سیاست اہل سنّت پر یہ
ہر دو سوال نہیں کر سکتا کیونکہ ہمارے پاس دندان شکن جواب ہے ملاحظہ ہو۔ پاکستان
میں اہل سنت وجماعت کی آبادی تقریباً ۸۵ فیصد ہے اگر یہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے
ہو جائیں تو مہینوں کی بجائے دنوں میں شرعی امام کا تقرر اور انتخاب ہو سکتا ہے اور
اہل سنّت جاہلیت کی موت سے بچ سکتے ہیں اور ان کی موت اسلامی موت بن سکتی
ہے یہ منشور ہے کہ جمعیت علماء پاکستان نے پہلے شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی
رحمہ اللہ تعالےٰ کی قیادت میں اور اس کے بعد علامہ الشاہ احمد نورانی صدیقی زید مجدہٗ
کی قیادت میں یہ کوشش کی کہ تمام اہل سنّت جمعیت علماء پاکستان کے جھنڈے کے
نیچے اکٹھے ہو جائیں۔ تاکہ الیکشن کے موقع پر جمعیت علماء پاکستان اتنی بھاری اکثریت
سے کامیاب ہو کر وہ بغیر کسی اور سیاسی پارٹی کی امداد کے خود مرکزی حکومت تشکیل
دے سکے۔ اور چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ مرکز میں جو پارٹی الیکشن میں بھاری اکثریت سے
کامیاب ہوتی ہے حکومت کی تشکیل اسی کا حق ہوتا ہے تو اب جمعیت علماء پاکستان

کے سربراہ علامہ نورانی تمام شرائط کے جامع ہیں لہٰذا الیکشن میں کامیابی کے بعد جمعیت
اپنے سربراہ اور قائد کو شرعی امام منتخب اور مقرر کر سکتی ہے جمعیت کو شرعی امام کے
لیے کسی اور آدمی کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت نے
اپنا سربراہ علامہ نورانی کو منتخب کیا ہے۔ تاکہ سربراہ مملکت کے انتخاب کے وقت
کوئی اختلاف پیدا نہ ہو اور اگر سربراہ جماعت میں سربراہ مملکت کے شرائط موجود
نہیں ہیں تو پھر کامیابی کے بعد سربراہ مملکت اور تلاش کرنا ہوگا۔ اور پھر اس میں
اختلاف پیدا ہو سکتا ہے اب خود جمعیت کے اندر ایسے حضرات تھے جن کو جمعیت کا یہ
منشور پسند نہیں تھا کہ پاکستان میں شرعی امام منتخب کیا جائے جس کی وجہ یہ تھی کہ
یہ حضرات خود شرعی امام بننے کے اہل نہ تھے تو انہوں نے علامہ نورانی کے خلاف
بغاوت کر کے ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد تعمیر کرنی شروع کر دی اور جمعیت کے منشور
کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ اور پھر المیہ یہ ہوا کہ پانچ ہزار علماء ومشائخ میں اگر ذرا سمجھ
بوجھ ہوتی تو وہ یہ سوچتے کہ معمولی بات پر اہل سنّت میں انتشار پیدا ہو رہا ہے ہر دو
فریق کے درمیان مصالحت کی کوشش ہونی چاہیئے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے اور
پھر ان علماء ومشائخ کا دعوی بھی نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نفاذ ہے اور
یہ اہل سنّت کے اتحاد کے سوا مشکل ترین ہے لیکن ان علماء و مشائخ کا علامہ نورانی کے
ساتھ ذاتی عناد تھا لہٰذا شیطان نے صحیح راستہ مصالحت کا ان کی نظروں سے اوجھل
کر دیا اور انہوں نے باغی شرذمہ قلیلہ کی تائید کر کے اہل سنت میں انتشار اور افتراق
کو ہوا دی مناسب یہ تھا کہ باغی فریق کی حوصلہ شکنی کی جاتی اور ان کے اجلاس اور
کنونشن کا بائیکاٹ کیا جاتا تاکہ ان کو اپنی قدر و قیمت معلوم ہو جاتی۔ خلاصہ یہ کہ ان پانچ
ہزار علماء ومشائخ نے افتراق اور انتشار پیدا کر کے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کا راستہ مسدود
کر دیا ہے یا اس کو پیچھے دھکیل دیا ہے جس پر جتنا افسوس کیا جائے وہ کم ہے۔ شاید

کسی نے ایسے موقع پر ہی کہا ہے ؏

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

یہاں تک بندہ نے مقصد اول میں تین دلائل سے ثابت کیا ہے کہ امام کا تقرر تمام مکاتب فکر کے نزدیک واجب ہے صرف خارجی فرقہ نے اس وجوب کا انکار کیا ہے اب اس دور میں اگر کوئی مسلمان وجوب امامت کا انکار کرے تو وہ خارجی ہی ہوگا۔

مقصد دوم: میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس شرعی امام کا تقرر کیوں واجب ہے اور اس کے فرائض کیا ہوں گے۔ عقائد نسفی میں ہے۔

(والمسلمون لابد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم و اقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهيز جيوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق واقامة الجمع والاعياد وقطع المنازعات الواقعة بين العباد وقبول الشهادات القائمة على الحقوق وتزويج الصغار والصغائر الذين لا اولياء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذالك من الامور التى لا يتولاها احاد الامة)

اس طویل عبارت میں دو چیزوں کا ذکر ہے اول یہ کہ تقرر امام کیوں واجب ہے، دوم یہ کہ امام کے ذمہ کیا فرائض ہوں گے۔ امر اول کی تفصیل یہ ہے کہ تقریباً تیرہ واجب ایسے ہیں جو کہ امام پر موقوف ہیں اور امام ان واجبات کا موقوف علیہ ہے اور قبل ازیں گزر چکا ہے کہ واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے تو چونکہ تقرر امام واجب ہے لہٰذا مسلمانوں پر ضروری ہوا کہ تقرر امام سے اپنا واجب ادا کریں۔ امر دوم کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا واجبات امام کے فرائض میں داخل ہیں اور بغیر امام کے دوسرا آدمی ان فرائض کو ادا نہیں کر سکتا اب ان تیرہ امور کی تفصیل ملاحظہ ہو جو کہ امام کے فرائض میں داخل ہیں اور تقرر امام پر موقوف ہیں۔

اول:- امام کا کام یہ ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے احکام نافذ کرے گا۔

دوم:- شرعی حدود قائم کرے گا مثلاً چوری اور زنا اور شراب کی حدیں۔

سوم:- اسلامی ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرے گا۔

چہارم:- اسلامی فوج کے لیے اسلحہ اور دوسری ضروریات کا انتظام کریگا۔

پنجم:- زکوٰۃ اور عشر اور خراج وصول کرے گا۔ باغیوں، چوروں اور ڈاکوؤں کی سرکوبی کرے گا۔

نہم:- جمعہ اور عید قائم کرے گا۔

دہم:- لوگوں میں جو جھگڑے ہیں ان کا قطعی اور حل پیش کرے گا۔

یازدہم:- حقوق پر شہادتیں قبول کرے گا۔

دوازدہم:- جن نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے ولی نہیں ہیں ان کے نکاح کرے گا۔

سیزدہم:- مال غنیمت کی تقسیم کرے گا اور اس کے بغیر کئی اور امور بھی ہیں جن کو ہر آدمی سرانجام نہیں دے سکتا اور امام سرانجام دے سکتا ہے چونکہ تاحال پاکستان میں شرعی اور باشرائط امام نہیں ہے لہٰذا اس کو زکوٰۃ اور عشر اور خراج اور دوسرے مواجب ادا کرنے مسلمانوں پر ضروری نہیں البتہ اگر ادا کر دیئے جائیں تو جائز ہے۔ اس مقصد دوم سے ثابت ہوا کہ اسلامی قانون اور نظام مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر آدمی نافذ نہیں کر سکتا بلکہ یہ کام منتخب امام کا ہے تو گویا اسلامی آئین کی بنیاد اور پہلی اینٹ تقرر امام ہے اور اگر بغیر تقرر امام کے نظام مصطفےٰ نافذ کیا جائے تو اس کی مثال یہ ہے جیسے بغیر بنیاد کے دیوار تعمیر کی جائے اور ہر آدمی شرعی امام اور سربراہ مملکت نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے شرائط ہیں جن کا بعد میں ذکر کیا جائے گا۔ اب یہاں عقائد نسفی پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ عقائد نسفی یہ متن ہے

اور متون میں اختصار ہوتا ہے لیکن امامت کے مسئلہ کو طوالت سے کیوں ذکر کیا گیا ہے تو شارح نبراس نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے۔ (وقد اطنب المصنف اطنابًا لایناسب المختصر تنبیھًا علی الاھتمام بمنصب الامام و ارشاد الائمۃ الی ما یجب علیھم) خلاصہ یہ کہ متون مختصر ہوتے ہیں اور مصنف رحمہ اللہ نے امامت کے مسئلہ کو طوالت سے بیان فرمایا ہے اس کی کیا وجہ ہے تو جواب یہ ہے کہ اس طوالت کے دو فائدے ہیں۔

اوّل:۔ تمام مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ امام کا تقرر بڑا مقصودی امر ہے اور تم پر واجب ہے لہٰذا اس سے غافل نہ ہونا۔

دوم:۔ ائمہ کو رہنمائی کرنی ہے کہ تم پر جو تیرہ چیزیں واجب ہیں ان کو کما حقہ ادا کرنا۔ عقائد نسفیہ کے مصنف نے جو امامت کا مسئلہ طویل عبارت میں ذکر کر کے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے افسوس کہ اسی صدی کے پانچ ہزار علماء و مشائخ نے ۲۲ مارچ کے اجلاس میں اس کو محسوس نہیں کیا اور سارا وقت منفی سیاست میں ضائع کر کے عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ صرف اہل سنّت میں انتشار کو ہوا دیکر کار بے خیر کا ارتکاب کیا۔ پرانے علماء و مشائخ کا طریقہ وصل اور باہمی محبت تھا لیکن اس صدی کے علماء و مشائخ کا طرۂ امتیاز فصل اور باہمی افتراق اور انتشار ہے گویا کہ اس صدی کا تصوف بھی تبدیل ہو گیا ہے پرانا تصوف تو یہ تھا (بئس الفقیر علی باب الامیر خیر الامیر علی باب الامیر) یعنی برا شیخ وہ ہے جو امراء کے دروازوں کا چکر لگاتا ہے اور اچھا امیر وہ ہے جو کہ مشائخ کے دروازوں پر حاضری دیتا ہے یہ تو پرانا تصوف تھا اب نیا تصوف اور اس کا زرین مسئلہ ملاحظہ ہو۔ (خیر الفقیر علی باب الامیر بئس الامیر علی باب الفقیر) یعنی بڑا اور نامی گرامی شیخ وہ ہے جو کہ امراء کے دروازوں پر حاضری دیتا ہے۔

اور برا امیر وہ ہے جو کہ مشائخ کے در کی حاضری دے۔ حضرت خواجہ ثانی قدس سرہٗ سیالوی کے پرانے تصوف کے متعلق چند ٹھیٹھ پنجابی مقولے ہیں چونکہ جدید پہلوں پر ثقیل ہیں لہٰذا ان کو یہاں نقل نہیں کیا جاتا۔ خلاصہ یہ کہ جس مسلمان کو اپنے امام زمانہ کی معرفت ہے اس کی موت اسلامی اور ہدایت کی موت ہے اور جس کو یہ معرفت حاصل نہیں ہے اس کی موت جاہلیت کی موت اور ضلالت کی موت ہے یہ حکم تو ایک عام مسلمان کا ہے اور پھر علماء اور مشائخ کو تو یہ معرفت بطریق اولیٰ حاصل ہونی چاہیئے۔ حیرت ہے کہ ۲۲ مارچ کے علماء و مشائخ نے اس امر پر تو اتفاق کیا عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی لیکن شیطان نے یہ امر ان کے ذہن سے نکال دیا ہے کہ آخر سربراہ مملکت کون ہونا چاہیئے تاکہ اس کی معرفت حاصل کر کے مسلمان جاہلیت اور ضلالت کی موت سے بچ جائے۔ اور اسلامی موت سے سرفراز ہو تو جو علماء و مشائخ منفی پہلو پر بحث کرتے ہیں اور مثبت پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ ان کی موت اسلامی ہو یا جاہلیت کی موت ان کو پرہم صرف ایک عورت سے ہے کہ وہ سربراہ اور حکمران نہیں ہو سکتی۔ ایسے جم غفیر کو جن کو اپنی موت کی پرواہ نہیں کہ اسلامی ہو یا کہ جاہلیت کی اور وہ اہل سنّت میں انتشار پھیلا رہے ہیں ان کو علماء و مشائخ کہنا علماء و مشائخ کی توہین ہے۔ غور فرماویں کہ امامت کا مسئلہ بغیر اتحاد اہل سنّت کے حل نہیں ہو سکتا اب جو علماء و مشائخ ۲۲ مارچ کو اجلاس لاہور میں جمع ہوئے بندہ باادب ان سے دریافت کرتا ہے کہ وہ اتفاق اور اتحاد اہل سنّت کے لئے مجتمع ہوئے یا کہ افتراق و انتشار اہل سنّت کے لیے شق اوّل بدیہی البطلان ہے کیونکہ ان مشائخ کا جو سربراہ ہے اور جس کی کوشش سے اجلاس لاہور منعقد ہوا اخباری اطلاع کے مطابق اس نے برملا کہا ہے کہ علامہ نورانی کے ساتھ ہمارا اتحاد نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں اجلاس

لاہور میں جو علماء و مشائخ مجتمع ہوئے ان کے درمیان نقطہ اتحاد صرف اور
صرف بغض علامہ نورانی تھا، پھر ان سے اصلاح اور اتفاق کا تصور ہی نہیں
ہو سکتا تو اب شق ثانی متحقق ہوئی کہ یہ اجتماع لاہور صرف اور صرف افتراق
اور انتشار کے لئے تھا اور فرقہ باغیہ کی پیٹھ ٹھونکنے کے لیے تھا کہ بغض نورانی
پر ڈٹے رہنا ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر یہ جم غفیر علماء و مشائخ اجلاس لاہور میں
شامل نہ ہوتا تو فرقہ باغیہ ایک دن میں اپنی موت آپ مر جاتا ان علماء و مشائخ کی شمولیت
سے اس بیمار کو چند دن کی حیات ضرور مل گئی ہے اب انتظار ہے کہ اس کا جنازہ کب
نکلتا ہے۔ بندہ کی شرعی رائے یہ ہے کہ فرقہ باغیہ یا تو ندامت کے ساتھ حق کی طرف
رجوع کرے گا اور بصورت دیگر انشاء اللہ تعالےٰ ختم ہو جائے گا۔ غور فرماویں کہ جو علماء
و مشائخ ۲۲ مارچ کے اجلاس لاہور میں شریک ہوئے ہیں سب کی زبان پر نظام مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ کا دعویٰ ہے اور اس نظام مقدس کو صرف اور صرف
شرعی امام جامع شرائط ہی نافذ کر سکتا ہے اور تقرر امام اتحاد اہل سنّت پر موقوف ہے
تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نظام مصطفےٰ اتحاد اہل سنّت پر موقوف ہے اور انتشار اہل سنّت
نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے تو چونکہ یہ علماء و مشائخ انتشار اہل سنت کا
سبب بنے ہیں لہٰذا یہ لوگ اس نظام مقدس کے دشمن ہیں لہٰذا ان کو یہ امر زیب
نہیں دیتا کہ وہ نظام مصطفےٰ کا دعویٰ کریں۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے نہ تو کبھی امراء اور
حکام کے دروازوں کا چکر لگایا ہے اور نہ ہی انہوں نے اہل سنت میں انتشار پیدا
کرنے کی کوشش کی۔ البتہ انہوں نے اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں کی جس نے اصولوں
کی خلاف ورزی کی۔ اس کو سزا دینے میں انہوں نے کبھی تامل نہیں کیا۔ اگرچہ وہ بڑا
عہدیدار کیوں نہ ہو اور اس کا نام انتشار نہیں ہے بلکہ نظام عمل ہے۔ تقریباً ہر سیاسی
پارٹی اختلاف کی وجہ سے متعدد پارٹیوں میں تبدیل ہوئی ہے اور جمیعت بھی اس

سے مستثنےٰ نہیں ہے لیکن جمیعت کا باغی ٹولہ نہایت قلیل ہے اور اہل سنّت کا سواد اعظم
اب بھی علامہ شاہ احمد نورانی کے ساتھ ہے۔ بندہ کو اعتراف ہے کہ میرے مضمون
میں بظاہر علماء و مشائخ کی گستاخی کی گئی ہے اور بعض معاندین اس فقیر کے خلاف
پروپیگنڈہ بھی کریں گے۔ اس کا ایک جواب تو بعد میں مضمون کے آخر میں آئے گا
چند جوابات یہاں ملاحظہ ہوں۔

جواب اوّل:۔ علماء و مشائخ خطاء سے معصوم نہیں ہیں ان سے خطا سرزد
ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی ہے تو ان کو ادب کے ساتھ خطا پر متنبہ کرنا گستاخی نہیں ہے
بلکہ یہی حقیقی احترام ہے کیونکہ جس آدمی پر تنقید نہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میری ہر بات
درست ہوتی ہے اور تنقید سے بالاتر ہے تو وہ احتیاط سے کام نہیں لیتا لہٰذا خطا
کا احتمال زیادہ ہوتا ہے اور اگر اس کو علم ہو کہ میری بات پر تنقید ہوگی تو وہ ہر بات
سوچ کر اور احتیاط سے کرے گا اور یہی اس کے حق میں بہتر ہے تو جو علماء و مشائخ
۲۲ مارچ کے اجلاس میں شریک ہوئے اور اس سے اہل سنت میں افتراق
پیدا ہوا۔ یہ ایک خطا تھی تو بندہ نے پورے احترام کے باوجود اس خطا پر ان علماء
و مشائخ کو متنبہ کیا ہے اور خطا کی سنگینی کی وجہ سے اس پر تنبیہ کرنا ضروری
تھی۔ اور اس کو گستاخی کہنا اس صدی کا تصوف ہے جو تصوف قدیم کے الٹ ہے

جواب دوم:۔ بندہ کا نظریہ یہی ہے کہ علماء و مشائخ کا احترام لازم ہے
لیکن اللہ تعالےٰ جل شانہٗ اور اس کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کا احترام علماء
و مشائخ کے احترام سے بہت زیادہ ہے لہٰذا فقیر کے نزدیک اگر اللہ تعالےٰ اور
اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام بیان کرنے میں اگر بظاہر علماء و مشائخ
کی گستاخی لازم آتی ہو تو کوئی قباحت نہیں ہے۔

اور کسی کا احترام احکام شرعیہ بیان کرنے میں مانع نہ ہونا چاہیئے۔ مقصد سوم اس مقصد میں اب امام کے شرائط بیان کئے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ ہر آدمی نہ تو امام شرعی ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی آئین نافذ کر سکتا ہے۔ عقائد نسفی میں ہے (ثم ینبغی ان یکون الامام ظاهراً یرجع الیه لا مختفیاً ولا منتظراً و یکون من قریش ولا یکون من غیرهم ولا یختص ببنی هاشم واولاد علی رضی الله عنهم) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امام ظاہر ہونا چاہیئے تاکہ لوگ اپنے مسائل میں اس کی طرف رجوع کریں اور امام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہ ہو منتظر بھی نہ ہو یعنی اس وقت تو لوگوں کے سامنے نہ ہو لیکن مستقبل میں اس کے نکلنے کا انتظار ہو اور وہ قریش سے ہو گا اور غیر قریشی نہیں ہو گا اور امام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بنی ہاشم سے ہو یا حضرت علیؓ کی اولاد سے ہو۔ یہ جو ذکر کیا گیا ہے یہ اہل سنت کا مذہب ہے اور اہل شیعہ اس امر پر تو متفق ہیں کہ امام کا قریشی ہونا ضروری ہے اس کے بعد اہل شیعہ کے دو مذہب ہیں۔ اول یہ کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ بنی ہاشم سے ہو غیر ہاشمی امام نہیں ہو سکتا۔ مذہب دوم یہ کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہو چونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ دونوں مذہب باطل ہیں اس لئے متن میں دونوں مذہبوں کے رد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ شرح عقائد میں ہے۔ (یعنی لیشترط ان یکون الامام قرشیاً لقوله علیه الصلوٰة والسلام الائمة من قریش وهذا وان کان خبراً واحداً لکن لما رواه ابوبکر رضی الله تعالٰی عنه محتجاً به علی الانصار ولم ینکره احد فصار مجمعاً علیه ولم یخالف فیه الا الخوارج وبعض المعتزلة ولا یشترط ان یکون هاشمیا او علویا لما ثبت بالدلیل من خلافة ابی بکر وعمر وعثمان رضی الله تعالٰی عنهم مع انهم لم یکونوا من بنی هاشم وان کانوا من قریش)

متن عقائد نسفی میں تین دعوے تھے شارح عقائد علامہ تفتازانی نے ہر ایک پر دلیل ذکر کی ہے۔ دعویٰ اول کہ امام کے لئے یہ ضروری ہے کہ قریش سے ہو اور غیر قریش سے نہ ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک امام قریش سے ہو گا اس دلیل کی مدار اس امر پر ہے کہ الائمہ پر جو ال ہے وہ استغراق کے لئے ہے اور اس وقت امام کا ہر فرد قریشی ہو گا اور غیر قریشی امام نہیں ہو سکے گا اب اس دلیل پر اعتراض ہوتا ہے اور شارح تفتازانی نے اس کا جواب دیا اعتراض یہ ہے کہ مسئلہ امامت اہل سنت کے نزدیک اگرچہ فروعات سے ہے اور حدیث الائمہ من قریش۔ یہ خبر واحد ہے اور ظن کی مفید ہے اور جو مسائل فروعات سے ہیں وہ دلیل ظنی سے ثابت ہو جاتے ہیں تو امام کا قریشی ہونا اہل سنت کے نزدیک تو خبر واحد سے ثابت ہو جائے گا لیکن اہل شیعہ کے نزدیک یہ مسئلہ اصول اعتقادیہ سے ہے اور اس کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے تو امام کے قریشی ہونے کا مسئلہ اہل شیعہ کے نزدیک اس خبر واحد ظنی سے کیسے ثابت ہو گا تو شارح تفتازانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد انصار نے مہاجرین کو کہا کہ (منا امیر ومنکم امیر) یعنی اب ایک امیر نہیں ہو گا بلکہ دو امیر ہوں گے ایک ہم سے یعنی انصار سے اور ایک دوسرا امیر تم سے ہو گا یعنی مہاجرین سے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے خلاف حدیث الائمۃ من قریش سے استدلال کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مہاجرین سے ہی امام ہو گا کیونکہ وہی قریش ہیں اور امام انصار سے نہیں ہو سکتا کیونکہ انصار قریش نہیں تھے تو اس حدیث کا کسی نے انکار نہ کیا تو اس حدیث پر اجماع صحابہ ہوا تو اب یہ حدیث قطعی ہو گی اور یقین کا فائدہ دے گی تو اب اہل شیعہ کے نزدیک بھی اس حدیث شریف سے استدلال درست ہو گا خلاصہ جواب یہ ہو گا کہ یہ حدیث اگرچہ باعتبار اصل کے خبر واحد اور مفید ظن ہے لیکن

جب اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا تو اب یہ خبر یقین کا فائدہ دے گی البتہ خوارج اور
بعض معتزلہ قریش والی شرط کے منکر ہیں اب اس تصریح سے معلوم ہوگیا کہ اس
دور میں اگر کوئی آدمی قریش کی شرط کا انکار کرے تو وہ خارجی ہوگا یا معتزلی اہل سنت
ہرگز نہیں ہوسکتا علامہ تفتازانی نے جو جواب دیا ہے صاحب نبراس نے اس کو ان
الفاظ سے رد کیا ہے ملاحظہ ہو (وھھنا بحث وھو ان جعلہ خبر الآحاد
من قلۃ تتبع الاحادیث کما ھو عادۃ المتکلمین فانہ حدیث متواتر
رواہ نحو اربعین صحابیاً کما فی الصواعق) خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ علامہ
تفتازانی کا اس حدیث کو اصل سے خبر واحد کہنا درست نہیں ہے اور اس کی
وجہ یہ ہے کہ تفتازانی متکلمین سے ہے۔ اور متکلمین تتبع حدیث میں کمزور ہوتے
ہیں حقیقت یہ ہے کہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں فرمایا کہ یہ حدیث متواتر ہے
اور اس کو تقریباً چالیس صحابہ نے روایت کیا ہے اور خبر متواتر باعتبار اصل کے
یقین کا فائدہ دیتی ہے خلاصہ اعتراض یہ کہ علامہ تفتازانی نے حدیث الائمۃ من
قریش کو اصل کے لحاظ سے ظنی اور خبر واحد قرار دیا اور اجماع صحابہ کے لحاظ سے
قطعی قرار دیا یعنی یہ حدیث صرف ایک وجہ سے قطعی ہے اور صاحب نبراس
نے بحوالہ ابن حجر اس حدیث کو دو وجہ سے قطعی قرار دیا۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے
کہ حدیث متواتر بمنزلہ آیۃ قرآنی ہے اور اس کے انکار سے کفر کا خطرہ ہے اور اس
کے علاوہ اس پر اجماع صحابہ بھی ہے اور اس اجماع کا انکار بھی کفر کے خطرہ سے
خالی نہیں ہے تو صاحب نبراس کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کا انکار دو وجہ
سے کفر کا سبب ہے اور علامہ تفتازانی کی تحقیق کے مطابق اس حدیث کا
انکار صرف ایک وجہ سے کفر کا سبب ہے یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ سیدنا
ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صرف اجماع صحابہ ہے کوئی خبر متواتر نہیں اس کے

باوجود اس خلافت کا انکار کفر ہے اور امام کا قریش سے ہونا اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہے
اور خبر متواتر سے بھی تو نتیجہ یہ ہوا کہ امام کے قریش سے ہونے کی قطعیت سیدنا ابوبکر صدیق
رضی اللہ تعالے عنہ کی خلافت کی قطعیت سے زیادہ ہوگی تو اس کے منکر کو بطریق
اولیٰ کفر کا خطرہ ہے۔ مقصد سوم میں تین دعوے تھے علامہ تفتازانی نے ہر ایک پر دلیل
دی دعویٰ اول یہ تھا کہ امام کے لئے قریشی ہونا ضروری ہے اور غیر قریشی امام نہیں
ہوسکتا اس دعویٰ پر دلیل حدیث الائمۃ من قریش اور لفظ الائمۃ پر ال استغراق کا
ہے اس دلیل پر ایک اعتراض تھا اور اس کے دو جواب دیئے گئے جواب اول علامہ
تفتازانی نے دیا اور جواب دوم ابن حجر اور صاحب نبراس نے دیا اب دلیل اور اعتراض
جواب سے چند امور واضح ہوئے غور فرمادیں۔

امر اول جب انصار نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہم سے حدیث سماعت کی
تو اس پر کوئی اعتراض نہ کیا کہ قریش میں کون سی خصوصیت ہے جو کہ غیر قریش میں نہیں ہے
جس کی وجہ سے قریش امامت کے مستحق ہیں اور غیر قریش مستحق نہیں ہیں۔ بلکہ انصار نے
بغیر چون وچرا اس حدیث کو تسلیم کرلیا اور اپنے مطالبہ امامت سے دستبردار ہوگئے ان کا
ایمان تھا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو مستحق امامت ٹھہرایا تو لازمی طور پر
قریش میں کوئی خصوصیت ہے جو کہ غیروں میں نہیں ہے اگرچہ ہم کو وہ خصوصیت معلوم
نہیں ہے برخلاف آج کل کے جدید ذہن کے کہ یہ ذہن اس فرمان نبوی کو آسانی سے
تسلیم نہیں کرے گا بلکہ یہ کہے گا کہ سب مسلمان برابر ہیں لیکن بندہ اس جدید ذہن کو کہتا ہے
کہ اس فرمان نبوی میں شک سے تمہارے ایمان کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم اور ہمارے ایمان میں یہی فرق ہے۔ امر دوم یہ درست ہے کہ عورت امام نہیں
ہوسکتی لیکن یہ خبر واحد سے ثابت ہے اس پر کوئی خبر متواتر نہیں ہے اور ہاشمی کا
امام ہونا اور غیر ہاشمی کا امام نہ ہونا یہ خبر متواتر سے ثابت ہے پاکستان میں آج تک جتنے

سربراہان ہونے بندہ کے خیال میں کوئی بھی ہاشمی نہیں تھا بلکہ سب غیر ہاشمی تھے اس کے باوجود جو علماء اور مشائخ ۲۲ مارچ کو اجلاس لاہور میں شریک ہوئے انہوں نے اور ان کے آباؤ و اجداد اور مشائخ نے ان تمام غیر ہاشمی سربراہان مملکت کی سربراہی کو تسلیم کیا اور کسی کے خلاف کوئی فتویٰ نہ دیا۔ لیکن آج یہ لوگ عورت کی سربراہی کے خلاف شور مچا رہے ہیں بندہ ان علماء و مشائخ کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ فرق بتائیں کہ انہوں نے اور ان کے آباؤ و مشائخ نے غیر ہاشمی کی سربراہی کو تو تسلیم کر لیا حالانکہ یہ خبر متواتر کے اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے جس کا انکار کفر ہے اور عورت کی سربراہی کے خلاف شور مچایا ہوا ہے حالانکہ یہ خبر واحد کے خلاف ہے جس کا انکار کفر نہیں ہے خلاصہ یہ کہ تم نے اور تمہارے اکابرین نے حدیث متواتر کو تو نظر انداز کر دیا اور خبر واحد کو اچھالا تو یہ یا تو جہالت پر مبنی ہے کہ تم کو اس حدیث کا علم تک نہیں اور یا یہ عناد پر مبنی ہے یعنی اس عورت کے ساتھ عناد اور ذاتی مخاصمت ہے۔ جن علماء و مشائخ میں کوئی حمیت ہے وہ بندہ کے اس چیلنج کا جواب دیں۔

امر سوم آجکل سربراہ دو قسم کے ہیں۔ اول سربراہ مملکت جس کو صدر کہا جاتا ہے۔ دوم سربراہ حکومت جس کو وزیر اعظم کہا جاتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو تقرر امام واجب ہے اور وہ عورت نہیں ہو سکتی اور اس امام کا قریشی ہونا ضروری ہے کیا اس سے مراد ہر ایک سربراہ ہے یعنی صدر اور وزیر اعظم ہر دو کا شرعی امام ہونا لازمی ہے یا ان سے صرف ایک کا شرعی امام ہونا ضروری ہے تو پھر وہ کون ہوگا صدر یا وزیر اعظم اور تیسری صورت یہ ہے کہ ہر ایک مستقل امام نہ ہو بلکہ ہر دو کا مجموعہ امام ہو اب بندہ اس پر بحث کرتا ہے گذارش یہ ہے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے انکار کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے کہ ہر شئے کی پہچان اس کی تعریف سے ہوتی ہے اب دیکھنا ہے کہ امام کی تعریف کیا ہے اگر وہ تعریف ہر ایک پر صادق آئے تو دونوں مستقل طور پر امام ہوں گے اور

اگر تعریف صرف ایک پر صادق آتی ہے نہ دوسرے پر تو وہی امام ہوگا

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ نصب امام کا مسئلہ دراصل علم فقہ کا مسئلہ ہے کیونکہ نصب امام افعال مکلفین سے ہے اور افعال مکلفین کی بحث علم فقہ میں ہوتی ہے لیکن چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف بہت ہے اور اس میں اعتقاد کے خراب ہونے کا خطرہ ہے اس لئے مسئلہ امامت کی تفصیل علم کلام میں ہے اور علم فقہ میں اس کا ذکر اجمال کے طور پر آئے گا

اب امامۃ کی تعریفیں ملاحظہ ہوں۔ تعریف اول درمختار میں ہے (الامامۃ صغریٰ وکبریٰ فالکبریٰ استحقاق تصرف عام علی الانام ای علی الخلق) شامی میں ہے (وھو متعلق بتصرف لا باستحقاق لان المستحق علیھم طاعۃ الامام لا تصرفہ ولا بعام اذ المتعارف ان یقال عام بلکذا الا علیہ) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ امامۃ میں مخلوق پر تصرف عام کا استحقاق ہوتا ہے اور لفظ علی الانام یہ تصرف کے متعلق ہے نہ کہ استحقاق اور عام کے متعلق کیونکہ اگر استحقاق کے متعلق ہو تو یہ معنی ہوگا کہ مخلوق پر استحقاق تصرف عام ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ لوگوں پر طاعۃ امام ضروری ہے نہ کہ امام کا تصرف اور اگر علی الانام متعلق استحقاق کے ہو تو یہ معنی ہوگا کہ لوگوں پر مستحق تصرف امام ہے۔ اور لفظ عام کے متعلق بھی نہیں ہے کیونکہ عام کا صلہ باء آتا ہے نہ کہ علی چنانچہ محاورہ ہے عام بکذا الا علیہ خلاصہ تعریف یہ ہوا کہ امامۃ میں لوگوں پر تصرف عام کا استحقاق ہوتا ہے جس کو لوگوں پر تصرف خاص کا استحقاق ہو وہ امام نہیں ہے۔ شامی میں تعریف کے جنس اور فصل کو اس طرح بیان کیا۔ (وخرج بقید العموم مثل القضاء والامارۃ) یعنی عموم کی قید اس لئے لگائی تاکہ قاضی اور امیر خارج ہو جائے کیونکہ ان ہر دو کو تصرف عام کا استحقاق نہیں ہوتا بلکہ تصرف خاص کا استحقاق حاصل ہوتا ہے کیونکہ جس علاقہ کا

قاضی اور حاکم مقرر کیا گیا ہے اس کا حکم صرف انہی لوگوں پر جاری ہوگا جو اس علاقہ
کے رہنے والے ہیں نہ کہ سارے ملک پر۔ اب عورت اور غیر قریشی امام تو نہیں
ہو سکتے۔ لیکن کسی خاص علاقہ کے قاضی اور حاکم ہو سکتے ہیں تو جو لوگ یہ
کہتے ہیں کہ عورت بالکل حاکم نہیں ہو سکتی ان کا یہ قول دین سے بے خبری
پر مبنی ہے اور وہ نام نہاد علامہ ہیں۔ تعریف دوم مواقف اور شرح مواقف
میں ہے (الامامة ریاسة عامة فی امور الدین والدنیا
لشخص من الاشخاص فقید العموم احتراز عن القاضی والرئیس
وغیرهما والقید الاخیر احتراز عن کل الامة اذا عزلوا الامام
عند فسقه فان الکل لیس شخصاً واحداً) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ
امامت یہ ہے کہ ایک شخص کے لئے دین اور دنیاوی امور میں ریاست اور سرداری
عام حاصل ہو کوئی دینی اور دنیاوی شعبہ اس کی ریاست سے خارج نہ ہو اس کے
بعد تعریف کے جنس اور فصل بیان کرتا ہے۔ کہ عموم کی قید سے قاضی اور رئیس اور
ہر وہ آدمی خارج ہو گیا جس کو بادشاہ نے کسی خاص علاقہ پر سردار مقرر کیا ہو
اب اس تعریف سے بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ امام نہیں ہو سکتے جیسے عورت اور
غیر قریشی یہ لوگ قاضی اور کسی خاص علاقے کے رئیس اور حاکم ہو سکتے ہیں۔ اور جو
آخری قید ہے لشخص من الاشخاص اس سے مجموعہ امت خارج ہو گئی کیونکہ
ساری امت مجموعی طور پر امام نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ ایک شخص نہیں ہے بلکہ متعدد
اشخاص کا مجموعہ ہے۔ اس تعریف سے یہ امر واضح ہو گیا کہ امام صرف ایک ہوگا متعدد
امام نہیں ہو سکتے نہ ہر ایک مستقل امام ہو سکتا ہے اور نہ مجموعہ من حیث مجموعہ ۔ یہ
تعریف دوم اور تعریف اول تقریباً ایک جیسی ہیں۔ اب ان ہر دو تعریف پر اعتراض کرتا
ہے۔ اس مجموعہ کی صورت یہ ہے کہ امام فاسق ہو گیا اور اہل حل وعقد

جنہوں نے اس امام کا تقرر کیا تھا انہوں نے امام کو معزول کر دیا تو اب وہ اہل حل و
عقد مجموعی طور پر امام نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ایک شخص نہیں ہیں۔ اس تعریف سے
یہ امر واضح ہو گیا کہ شرعی امام صرف ایک ہوتا ہے امام متعدد نہیں ہو سکتے نہ ہر ایک
مستقل اور نہ مجموعہ من حیث مجموعہ تعریف اول اور دوم ہر دو تقریباً ایک جیسی ہیں
اب ان ہر دو تعریف پر صاحب مواقف اعتراض کرتا ہے ملاحظہ ہو (وینتقض
هذا التعریف بالنبوة) خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ نبوت اور امامت ایک چیز نہیں
بلکہ متغائر ہیں اور یہ تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ تمام لوگوں پر تصرف عام کا
نبی مستحق ہوتا ہے اور نبی کی بھی امور دینی اور دنیاوی میں ریاست اور سرداری عام ہوتی
ہے تو تعریف مانع نہ ہوئی اس کے بعد تعریف سوم کرتا ہے اور یہ تعریف جامع مانع
ہے۔ تعریف سوم (الامامة خلافة الرسول فی اقامة الدین وحفظ
حوزة الملة بحیث یجب اتباعه علی کافة الامة وبهذا القید
الاخیر یخرج من ینصبه الامام فی ناحیة کالقاضی مثلاً ویخرج المجتهد
اذ لا یجب اتباعه علی الامة کافة بل علی من قلده خاصة) خلاصہ تعریف
سوم یہ ہے کہ امامت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کا نام ہے اور یہ خلافت
اقامت دین میں ہے اور ملت کے مجموعہ کی حفاظت میں ہے اور اس کی اتباع تمام امت
پر واجب ہوتی ہے اس آخری قید سے قاضی اور مجتہد خارج ہو گئے کیونکہ قاضی اور
مجتہد کی اتباع ساری امت پر واجب نہیں ہے بلکہ قاضی کی اتباع صرف اس
علاقہ کے لوگوں پر ہے جس علاقہ کا وہ قاضی ہے یا ان لوگوں پر ہے جن کا مقدمہ اور
کیس قاضی کے پاس ہے اسی طرح مجتہد کی اتباع صرف اس کے مقلدین پر واجب
ہے اب اس تیسری تعریف پر وہ اعتراض نہیں ہوتا جو تعریف اول اور دوم پر ہوتا ہے
کہ ہر دو تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہیں حالانکہ امامت اور نبوت دو متغائر چیزیں

ہیں تیسری تعریف پر اعتراض اس لئے نہیں ہوتا کہ نبوۃ کسی رسول کی خلافت نہیں ہے
بلکہ نبوۃ شریعت مطہرہ کی بعثت ہے۔ بندہ دوبارہ یہاں ذکر کرتا ہے کہ یہ جو
شرع شریف کا مسئلہ ہے کہ عورت امام اور حاکم نہیں ہو سکتی اس سے مراد وہ حکومت
اور امامت ہے جس کی تین تعریف ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے سوا بعض صورتوں میں
عورت حاکم ہو سکتی ہے جیسا قاضی یا ملک کے کسی خاص حصہ کی حکومت البتہ عورت
جیسا کہ امامت کبریٰ کی اہل نہیں ہے امامت صغریٰ کی بھی اہل نہیں ہے یعنی نماز کی
امامت کی بھی اہل نہیں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امامت کی جو تین تعریف کی گئی
ہیں یہ صرف صدر پر صادق آتی ہیں یا کہ صرف وزیر اعظم پر یا ہر ایک پر یا ہر دو کے
مجموعہ من حیث مجموعہ پر تو بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ تعریفیں صرف اور صرف صدر پر
صادق آتی ہیں کیونکہ تینوں تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ
تمام لوگوں پر اس کا تصرف عام ہو اور تمام لوگوں پر اس کی اتباع واجب ہو اور یہ
امر صرف صدر مملکت پر صادق آتا ہے اور یہ صفت صرف صدر مملکت میں پائی جاتی
ہے نہ کہ وزیر اعظم پر اور اس کی چند وجوہ ہیں۔ وجہ اول صدر مملکت اکیلا وزیر اعظم اور وزراء
اعلیٰ کو معزول کر سکتا ہے جیسا کہ صدر ضیاء الحق نے کیا تھا اگرچہ اس کے لئے بعض شرطیں
ہیں لیکن وزیر اعظم اکیلا نہ تو صدر مملکت کو معزول کر سکتا ہے اور نہ ہی وزراء اعلیٰ کو اور
اس کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت وزیر اعظم پاکستان اور پنجاب اور بلوچستان کے وزراء اعلیٰ
کے درمیان شدید چپقلش اور محاذ آرائی انتہا کو پہنچ چکی ہے لیکن وزیر اعظم بے بس ہے
اگر اس کو صوبوں کے وزراء اعلیٰ کو معزول کرنے کا اختیار ہوتا تو وزیر اعظم اپنے اس اختیار کا
ضرور استعمال کرتا البتہ مرکزی اسمبلی کو صدر اور وزیر اعظم کو معزول کرنے کا اختیار ضرور
ہے اور اسی طرح صوبائی اسمبلیوں کو وزراء اعلیٰ کو معزول کرنے کا اختیار ہے اور یہی
وجہ ہے کہ مرکزی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کی خرید و فروخت ہو رہی ہے۔

تاکہ اس کے ذریعے وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ کو ان کے عہدہ سے معزول کیا جا سکے۔ وجہ دوم
پاکستان میں انتظامیہ دو قسم کی ہے ایک انتظامیہ وزیر اعظم کے ماتحت اور دوسری وزراء اعلیٰ
کے ماتحت صوبوں کی انتظامیہ پر وزیر اعظم کا کنٹرول نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ صوبوں
کی انتظامیہ وفاقی اور مرکزی وزراء کو تنگ کرتی رہتی ہے اور وزیر اعظم ان کا کچھ بگاڑ نہیں
سکتی تو معلوم ہوا کہ وزیر اعظم کا ملک کے تمام لوگوں پر تصرف عام نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ
شرعی امام صرف صدر مملکت ہے نہ کہ وزیر اعظم تو نتیجہ یہ بر آمد ہوا کہ عورت اور غیر قریشی
صرف صدر مملکت نہیں ہو سکتے وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی شرعی
قباحت نہیں ہے کیونکہ عورت اور غیر قریش صرف امامت کبریٰ کے اہل نہیں ہیں قضاء
اور ملک کے کسی حصے کے حاکم ہو سکتے ہیں اگرچہ عورت امامت صغریٰ کی بھی اہل نہیں ہے
اور غیر قریشی اس کا اہل ہے یہاں تک بندہ نے دلیل سے ثابت کیا ہے کہ جو سربراہ
شریعت مطہرہ میں عورت اور غیر قریش نہیں ہو سکتا وہ صدر مملکت ہے نہ کہ وزیر اعظم۔
کیونکہ امام کی جو تین تعریف کی گئی ہیں وہ صدر مملکت پر صادق آتی ہیں اور وزیر اعظم پر
صادق نہیں آتیں اب بندہ یہ ذکر کرتا ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وزیر اعظم پر بھی امام کی
تین تعریفیں صادق آتی ہیں اور جس طرح عورت اور غیر قریشی شرع شریف میں صدر
مملکت نہیں ہو سکتے اسی طرح وزیر اعظم بھی نہیں ہو سکتے تو یہاں ایک اور قباحت
لازم آئے گی اور وہ یہ کہ یہ امر تو مسلّم ہے اور اس سے زیادہ واضح ہے کہ صدر مملکت تو
یقیناً سربراہ مملکت اور امام ہے جس کی قبل ازیں تین تعریفیں ذکر کی جا چکی ہیں اور اس
کا انکار نری جہالت ہے اور اگر وزیر اعظم بھی سربراہ مملکت تسلیم کر لیا جائے تو ایک چھوٹے
سے ملک کے دو امام اور دو سربراہ مملکت ہو جائیں گے اور یہ شرع شریف میں ناجائز
ہے اب بندہ اس پر دو دلیل پیش کرتا ہے۔ دلیل اول مسلم شریف میں ہے۔ جو روایۃ
مشکوۃ (عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع

لخلیفتین فاقتلوا الآخر منهما (رواہ مسلم) خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ اگر
دو خلیفہ کے ساتھ لوگ بیعت کریں تو پہلے کی اطاعت کرو اور دوسرے کے ساتھ
لڑائی کرو حدیث شریف میں جو بیعت کا ذکر ہے اس سے مراد خلیفہ اور امام کا انتخاب
ہے خواہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہو یا زبان کے ساتھ یا کسی اور وجہ سے ہو اس حدیث
شریف سے واضح ہو گیا کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کے دو خلیفہ اور امام نہیں ہو سکتے۔
اور اگر بالفرض دو امام ہوں تو دوسرے کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی ضروری ہے۔ مسلم شریف
کی اور حدیث شریف میں ہے (عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ
صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم من بایع اماماً فاعطاہ صفقۃ یدہ وثمرۃ قلبہ
فلیطعہ ان استطاع فان جاء آخر ینازعہ فاضربوا عنقہ رواہ مسلم)
خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ جس آدمی نے ایک امام کے ساتھ بیعت کی اور اسے
منتخب کیا اور دل سے اس کی امامت کو تسلیم کیا تو حتی الامکان اس امام کی اطاعت
کرے اور اگر کوئی اور امامت اور خلافت میں اس کے ساتھ جھگڑا کرے تو اس کی
گردن اڑا دو۔ اس حدیث شریف سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ایک ملک میں مسلمانوں
کے دو امام اور سربراہ مملکت ہرگز نہیں ہو سکتے اور اگر ایسا ہو تو پہلے کی اطاعت لازم
اور دوسرے کی گردن اڑانے کا حکم ہے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں ایک اور حدیث
بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے تعدد امام شرعاً شریف میں منع ہے حدیث شریف ملاحظہ ہو
(عن ابی ہریرۃ عن النبی صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل
تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون
خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعۃ الاول فالاول اعطوہم
حقہم الحدیث متفق علیہ) خلاصہ ترجمہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت
صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی اصلاح کرتے تھے۔

جب ایک نبی کا وصال ہوتا تھا تو ایک اور نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور میرے بعد کوئی
نبی نہیں آئے گا البتہ خلفاء کثرت سے ہوں گے تو صحابہ کرام رضی اللّٰہ تعالےٰ عنہم
نے عرض کی کہ ان خلفاء کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا کہ خلیفہ "الاول" کی
اطاعت کرو اور اس کے وصال کے بعد پھر اول کی اطاعت کرو اور ان کو ان کا حق
ادا کرو۔ چونکہ بظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہ خلفاء ایک زمانہ میں ہوں
گے اور یہ شرعاً منع ہے اس لئے حاشیہ مشکوٰۃ میں اس وہم کو رفع کیا (قال الطیبی
الفاء للتعقیب والتکریر والاستمرار ولم یرد بہ فی زمان واحد بل
الحکم ھذا عند تجدد کل زمان وتجدد بیعتہ) خلاصہ حاشیہ یہ ہے کہ خلفاء
کثیرہ جن کا ذکر حدیث شریف میں ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ خلفاء ایک
زمانہ میں ہوں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے ہوں گے اور مختلف زمانوں میں
لوگ ان کی بیعت کریں گے جب ایک فوت ہو گا تو دوسرا اس کا خلیفہ ہو گا۔ یہاں
تک بندہ نے تین احادیث سے ثابت کیا کہ ایک چھوٹے ملک کے دو امام اور دو
سربراہ مملکت نہیں ہو سکتے اب اس پر بندہ دلیل دوم نقل کرتا ہے۔ شرح مواقف
میں ہے (ثم اذا اتفق التعدد فی بلدا وبلاد تفحص عن المتقدم
وامضی ولو امر الآخر فھو من البغاۃ فیجب ان یقاتل حتی یفیٔ الی
امر اللّٰہ فان لم یکن ھناک متقدم وکان ولم یعلم لعینہ وجب ابطال
الجمیع واستینا ف العقد لمن وقع علیہ الاختیار ولا یجوز العقد لامامین
فی صقع ای جانب متضایق الاقطار لادائہ الی وقوع الفتنۃ واختلال
النظام اما فی متسعھا ای اما العقد لامامین فی سقع متسع الاقطار بحیث لا یسع
الواحد تدبیرہ فھو محل الاجتہاد) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ایک چھوٹے سے
ملک میں دو اماموں کا تقرر جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے ملک میں فتنہ پیدا ہو گا

اور نظام حکومت درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اگر اتفاق سے اس چھوٹے ملک میں متعدد اماموں کا تقرر ہو جائے تو اس کی کئی صورتیں ہیں اول یہ کہ ہم کو علم ہے کہ فلاں کا تقرر پہلے ہے اور فلاں کا پیچھے تو جس کا تقرر پہلے ہے وہی امام ہوگا نہ کہ دوسرا اور اگر دوسرا اپنی امامت پر بضد ہو اور اڑ جائے تو وہ باغی ہے اور اس کے ساتھ اس وقت تک لڑائی کی جائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اور اپنی خلافت سے دستبردار ہو جائے البتہ اگر ملک وسیع اور عریض ہو کر ایک امام اس کا انتظام نہیں چلا سکتا تو پھر اگر امام متعدد ہوں تو اس کی گنجائش ہے۔ مثلاً جس طرح آج کل اسلامی ممالک کافی تعداد میں ہیں اور ایک امام تمام ممالک اسلامیہ کا انتظام نہیں چلا سکتا تو متعدد اماموں کا تقرر شرع شریف میں جائز ہے۔ یہاں ایک تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاںؒ نے خلافت شرعیہ پر ایک رسالہ دوام العیش تحریر فرمایا ہے اور اس میں خلیفہ اور سلطان کے درمیان سات فرق بیان فرمائے فرق چہارم میں بیان فرماتے ہیں (خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس) یہ عبارت شرح مواقف کی عبارت مذکورہ بالا کے بظاہر متصادم ہے جس میں تصریح ہے کہ وسیع و عریض ملک میں متعدد امام ہو سکتے ہیں لہذا اعلیٰ حضرت کی عبارت کی توجیہ لازم ہے۔ صورۃ دوم: اور اگر ہر دو اماموں سے کوئی مقدم نہیں ہے یا واقع میں ایک مقدم اور دوسرا مؤخر ہے لیکن ہم کو علم نہیں ہے کہ کون مقدم اور کون مؤخر ہے تو سب کی امامت باطل ہے اور نئے سرے سے مسلمان صرف ایک امام کا تقرر کریں جس کو وہ پسند کرتے ہیں۔

دلیل سوم امیر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت اور خلافت کو چھ آدمیوں کے درمیان شوریٰ مقرر فرمایا تھا شرح عقائد میں علامہ تفتازانیؒ نے اس پر اعتراض کیا اور پھر ایک جواب علامہ تفتازانیؒ نے خود دیا اور دوسرا جواب علامہ خیالیؒ نے دیا اب سوال اور اس کے دونوں جواب ملاحظہ ہوں۔ (فان قیل کیف صح جعل الامامة شوریٰ بین ستة مع انه لا یجوز نصب امامین فی زمان واحد) خلاصہ سوال یہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو امامت کو چھ آدمیوں کے درمیان

شوریٰ قرار دیا یہ کس طرح درست ہے حالانکہ ایک زمانہ میں دو امام بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ چھ امام ایک زمانہ میں ہوں۔ اس کے بعد علامہ تفتازانیؒ نے اپنے سوال کا یہ جواب دیا ملاحظہ ہو۔ (قلنا غیر اللازم هو نصب امامین مستقلین یجب طاعة کل منهما علی الانفراد لما یلزم فی ذالک من امتثال احکام متضادة واما فی الشوریٰ فالکل بمنزلة امام واحد) خلاصہ جواب یہ ہے کہ متعدد اماموں کا تقرر جو منع ہے تو یہ اس صورت میں ہے کہ ہر امام مستقل ہو اور ہر ایک کی مستقل طاعت واجب ہو اور یہ قبیح ہے کیونکہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہر ایک کا حکم دوسرے کی ضد ہو اور دو ضدوں پر عمل محال ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو چھ آدمیوں پر مشتمل شوریٰ قائم کی تو یہ ہر ایک مستقل امام نہیں تھا بلکہ مجموع من حیث مجموع بمنزل ایک امام کے تھے تفتازانیؒ کا یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ قبل ازیں شرح مواقف کی عبارت میں تصریح گذر چکی ہے کہ امام کے لئے شخص واحد ہونا ضروری ہے اور اہل حل وعقد جب امام کو فسق کی وجہ سے معزول کر دیں تو یہ امام نہیں ہو سکتے کیونکہ اہل حل وعقد کل من حیث کل شخص واحد نہیں ہیں۔ چونکہ یہ جواب درست نہیں تھا اس لئے علامہ خیالی نے اور جواب دیا ہے جس پر یہ اعتراض نہیں ہے علامہ خیالی کا جواب ملاحظہ ہو۔ (وقد یجاب ایضاً بان معنی جعل الامامة شوریٰ ان یتشاوروا فینصبوا احداً منهم ولا یتجاوزهم الامامة ولا للنصب ولا التعیین وحینئذٍ لا اشکال اصلا) خلاصہ جواب یہ ہے کہ چھ آدمیوں پر جو شوریٰ مشتمل تھی نہ تو ہر ایک امام مستقل تھا تاکہ تعدد امام لازم آئے اور احکام متضادہ پر عمل لازم آئے اور نہ مجموع من حیث مجموع امام تھا تاکہ شخص واحد کے منافی ہو بلکہ شوریٰ کا مطلب یہ تھا کہ یہ چھ آدمی باہم مشورہ کر کے ان چھ سے ایک آدمی امام مقرر کریں اور امامت ان چھ سے تجاوز نہ کرے یعنی ان چھ کے علاوہ کسی کو امام

مقرر نہ کریں اور ان چھ کے علاوہ کوئی آدمی بھی ان چھ سے کسی ایک کو امام مقرر نہیں کر
سکتا اور اس وقت کوئی اشکال نہیں ہے۔ علامہ خیالیؒ نے جو اخیر میں فرمایا کہ لا اشکال
اصلاً اس عبارت سے دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے اول یہ کہ علامہ خیالی کے جواب
پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دوم یہ کہ تفتازانی کے جواب پر اعتراض ہے بہرحال شرح
عقائد اور خیالی کی عبارت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ امام متعدد نہیں ہو سکتے اب بندہ
ان علماء و مشائخ سے جو ۲۲ مارچ کے اجلاس لاہور میں شریک ہوئے یہ سوال کرتا ہے
کہ آپ کے نزدیک جب عورت وزیر اعظم نہیں ہو سکتی کیونکہ وزیر اعظم بھی سربراہ ہے اور
سربراہ عورت نہیں ہو سکتی تو آپ کی منطق کے مطابق وزیر اعظم کا عہدہ بھی غیر شرعی ہے
کیونکہ اگر یہ عہدہ تسلیم کیا جائے تو ایک ملک کے دو امام لازم آئیں گے صدر اور وزیر اعظم
اور یہ شرعاً ممنوع ہے اب سوال یہ ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک صدر اور
وزیر اعظم دونوں عہدے آرہے ہیں اور مذکورہ بالا علماء و مشائخ اور ان کے آباء اور مشائخ
نے دونوں عہدوں کو تسلیم کیا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا یہ علماء و مشائخ اس کا
جواب دیں چونکہ یہ دور جہالت ہے اور مذکورہ بالا علماء و مشائخ اس کی زد میں ہیں اور
ان کو اس کا علم تو ہو گیا کہ عورت سربراہ نہیں ہو سکتی اور عورت کے خلاف ایک
طوفان کھڑا کر دیا اور ان کو اس امر کا علم ہی نہیں ہے کہ جس طرح عورت سربراہ نہیں
ہو سکتی اسی طرح غیر قریشی اور ایک ملک کے دو امام بھی نہیں ہو سکتے دین سے ناواقفی
کی یہ انتہا ہے کہ مذکورہ علماء و مشائخ نے غیر قریشی اور ملک کے دو اماموں کو تو تسلیم کر
لیا ہے اور عورت کی حکمرانی کے خلاف ہیں حالانکہ شرع شریف میں سب کا حکم ایک ہے
مذکورہ بالا علماء و مشائخ کا ان میں فرق کرنا یا تو جہالت پر مبنی ہے یا عورت کے ساتھ
ان کو کوئی ذاتی رنجش ہے بندہ مکرر عرض کرتا ہے کہ اس فقیر کے نزدیک بھی عورت کا
سربراہ ہونا خلاف شرع ہے بندہ کی تحقیق یہ ہے کہ عورت سربراہ مملکت اور صدر

نہیں ہو سکتی اور سربراہ حکومت اور وزیر اعظم ہو سکتی ہے اس کے خلاف کوئی دلیل شرعی
نہیں ہے کیونکہ بندہ دلیل سے ثابت کر چکا ہے کہ وہ سربراہ جو عورت نہیں ہو سکتی اس
کی تعریف صرف صدر مملکت پر صادق آتی ہے نہ کہ وزیر اعظم پر جن علماء و مشائخ کا یہ خیال
ہے کہ عورت مطلقاً سربراہ اور حکمران نہیں ہو سکتی یہ خیال خالص جہالت پر مبنی ہے۔
بندہ نے قبل ازیں امامت کی تین تعریفیں ذکر کی ہیں اور ثابت کیا کہ یہ تعریفیں صرف صدر
مملکت پر صادق آتی ہیں نہ کہ وزیر اعظم پر کیونکہ امامت میں یہ ضروری ہے کہ امام کا تمام
لوگوں پر تصرف عام ہو اور یہ امر صرف صدر مملکت میں پایا جاتا ہے نہ کہ وزیر اعظم میں اب
ایک صورت یہ ہے کہ امام صدر اور وزیر اعظم دونوں کا مجموعہ ہو نہ کہ ہر ایک اور اس
مجموعہ پر اگرچہ امامت کی تعریف صادق آتی ہے لیکن اس میں دو خرابیاں ہیں۔ خرابی اول
یہ کہ قبل ازیں گذر چکا ہے کہ اہل حل وعقد یہ امام نہیں ہو سکتے کیونکہ امام کے لئے یہ ضروری
ہے کہ وہ ایک شخص ہو اور مجموعہ ایک شخص نہیں ہے بلکہ دو شخص ہیں خرابی دوم جب
تعریف مجموعہ پر صادق آتی ہے نہ کہ ہر ایک پر تو پھر عورت حکمران ہو سکتی ہے کیونکہ عورت وہ
حکمران نہیں ہو سکتی جس پر امامت کی تعریف صادق آتی ہے اور چونکہ عورت پر
تعریف صادق نہیں آتی تو عورت مطلق حکمران ہو سکتی ہے اور یہ امر ان لوگوں کے
منافی ہے جو کہ عورت کی مطلق حکمرانی کے خلاف اور منکر ہیں۔ بندہ کو اعتراف ہے
کہ میری تحریر اور تقریر میں تکرار ہے اس لئے معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ تکرار
کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ امامت بڑا دقیق اور پیچیدہ ہے اور بندہ کے مخاطب نام نہاد
مذکورہ بالا علماء و مشائخ ہیں جن کو علماء و مشائخ سے اس لئے شمار نہیں کیا جاتا کہ وہ
خود اور بذاتہ عالم اور شیخ ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات علماء و مشائخ کی
اولاد سے ہیں پدرم من سلطان بود۔ تو مضمون میں تکرار اس لئے ہے کہ مذکورہ بالا علماء و
مشائخ کی سمجھ میں یہ مسئلہ آ جائے۔

امر چہارم یہاں بندہ اس پر بحث کرتا ہے کہ جمعیت علماء پاکستان میں جو اختلاف پیدا ہوا اور
جمعیت دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے تو کتاب و سنت کس دھڑے کی تائید و حمایت
اور کس دھڑے کی مخالفت اور مذمت کرتا ہے۔ آیۂ قرآنی ملاحظہ ہو (وان طائفتان
من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ
فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیٓء الیٰ امر اللہ الاٰیۃ) خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
جل شانہٗ کا فرمان ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو دھڑوں میں اختلاف اور لڑائی جھگڑا پیدا
ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ متحارب گروہوں میں صلح صفائی کرائیں
اب اگر صلح ہو جائے تو بہت بہتر ہے اور اگر ایک فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو وہ باغی ہے
اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دوسرے فریق کے ساتھ مل کر باغی کے خلاف اس وقت
تک برسرِ پیکار رہیں کہ وہ فرقہ باغیہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے یعنی مصالحت
پر آمادہ ہو جائے یہاں تک بندہ نے آیۂ شریفہ کا نفسِ مضمون بیان کیا ہے اب
قرآن پاک کا اعجاز ملاحظہ فرماویں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیۂ مذکورہ بالا کا نزول
جمعیت علماء پاکستان کے اختلاف کے متعلق ہوا ہے اور آیۂ کریمہ بالکل اس اختلاف
پر منطبق ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد جب صدیق اکبر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذیل کی آیت تلاوت فرمائی (وما محمد الا رسول قد خلت
من قبلہ الرسل افا ئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم الاٰیۃ) تو بعض
صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب آیۂ
مذکورہ بالا تلاوت کی تو ہمیں یوں معلوم ہوا کہ یہ آیت اب نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح
آیت مذکورۃ الصدر وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا الاٰیۃ جمعیت
کے اختلاف کے متعلق نازل معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ نورانی صدیقی جمعیت
کی عاملہ اور شوریٰ اور خادمین کے متفقہ بلا مقابلہ منتخب صدر اور امام تھے اور ایک

دوسرے گروہ نے ان کے خلاف بغاوت کی جب مسلمانوں نے مصالحت کی کوشش
کی تو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے کبھی مصالحت سے انکار نہیں کیا بلکہ بارہا اعلان
کیا کہ ہمارے دروازے بالکل کھلے ہیں ہم باغیوں کو گلے لگانے کے لئے بالکل تیار ہیں
وہ واپس آکر اپنے اپنے عہدوں پر کام کریں لیکن دوسرے مخالف گروہ کا اعلان تھا کہ
ہمارے اور نورانی صاحب کے راستے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے ہیں۔ اور مصالحت

کا کوئی احتمال نہیں اس اعلان پر اہل سنت غور کریں کہ اسلام اور کفر کے راستے جُدا جُدا
ہیں تو گویا فریق مخالف کے نزدیک ایک دھڑا مومن اور دوسرا کافر ہے جیسا کہ قرآن پاک
میں ہے۔ لکم دینکم ولی دین غور فرماویں یہ مخالفت اور بغاوت کی حد ہے
کوئی ذی عقل باضمیر مسلمان علامہ شاہ احمد نورانی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے
بغاوت کی ہے کیونکہ بغاوت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ سابق امام حق کی مخالفت کی جائے
تو ظاہر ہے کہ علامہ نورانی اہل سنت کے سابق امام آرہے تھے اور دوسرے فریق نے
ان کی صرف مخالفت ہی نہ کی بلکہ ان کو غیر اسلامی اور غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور پر معزول
کرنے کا دعویٰ کیا اب بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ ۲۲ مارچ کو لاہور میں جو علامہ نورانی کے
خلاف اجلاس ہوا اخباری اطلاع کے مطابق اس اجلاس میں پانچصد یا پانچ ہزار علماء
مشائخ شریک ہوئے اگر ان کو فرمان خداوندی کا ذرا احساس ہوتا تو وہ ہر دو فریق کے
درمیان مصالحت کی کوشش کرتے تو اگر علامہ نورانی کا مخالف فریق مصالحت پر آمادہ نہ
ہوتا تو یہ علماء و مشائخ علامہ نورانی کے ساتھ شریک ہو کر باغی گروہ کے خلاف اس وقت
تک برسرِ پیکار رہتے کہ باغی گروہ اپنی بغاوت سے رجوع کر کے مصالحت پر آمادہ ہو جاتا
لیکن ان علماء و مشائخ کو علامہ نورانی سے خدا واسطے کا ایسا عناد تھا کہ انہوں نے
فرمان خداوندی کو نظر انداز کر کے باغیوں کی حمایت اور تائید کی بندہ ان علماء و مشائخ
سے مؤدبانہ گذارش کرتا ہے کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ

کے روبرو حساب وکتاب دینا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے ان علماء ومشائخ سے
سوال کیا کہ بغض نورانی کی وجہ سے تم نے میرے فرمان کو کیوں نظر انداز کیا تو ان
علماء ومشائخ کے پاس کیا جواب ہوگا۔ اب اسی مضمون پر حدیث شریف ملاحظہ ہو
اب بھی وقت ہے کہ یہ علماء ومشائخ بغاوت سے انحراف کر کے حق کی طرف
رجوع کریں تو ان اکابرین کا روز قیامت یہ جواب ہوگا کہ اگرچہ ہم سے غلطی سرزد ہوئی
کہ باغیوں کی تائید کی لیکن جب ہم کو حکم خداوندی یاد دلایا گیا تو ہم نے بغاوت سے
رجوع کر کے حق کا اتباع کیا تو امید قوی ہے کہ ان کا یہ عذر دربار خداوندی میں مقبول ہو
گا کیونکہ (التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ) اب اس موضوع پر چند
احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ملاحظہ ہوں۔

حدیث اول :- عن ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما قال قال رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم من رآی من امیرہ شیئاً یکرھہ فلیصبر
فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الامات میتۃ جاھلیۃ (متفق علیہ)
خلاصہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے
امیر میں کوئی ایسی شئے دیکھتا ہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس پر
صبر کرے اور بغاوت نہ کرے کیونکہ جو آدمی بھی خواہ کوئی بڑا عالم یا بڑا شیخ کیوں نہ ہو
اگر ایک بالشت بھی جماعت سے دور ہو کر مر جائے تو وہ جاہلیۃ اور ضلالۃ کی موت
مرا اب اس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی جمعیت علماء
پاکستان کے اختلاف پر پوری منطبق ہوتی ہے گویا کہ اسی اختلاف کے لئے فرمائی
گئی ہے علامہ نورانی کے مخالف دھڑے اور اس کے حامی علماء ومشائخ اگر علامہ
نورانی کو اچھا نہیں جانتے تھے تو بحکم حدیث شریف علامہ نورانی کی صدارت کو
برداشت کرتے اور اسی مئی میں جمعیت کے مرکزی انتخابات ہونے والے ہیں

تو یہ لوگ خادمین جمعیت کے ساتھ رابطہ پیدا کرتے اور مرکزی قیادت کو
تبدیل کر دیتے بلکہ اگر بغاوت نہ کرتے تو ان لوگوں کا پسندیدہ امیدوار
بلا مقابلہ جمعیت کا صدر منتخب کیا جا سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے عجلت کر کے
بغاوت کا راستہ اختیار کیا تو اب اگر وہ اسی بغاوت پر مر گئے تو ان کی
موت جاہلیت اور ضلالت کی موت ہو گی تو اب ان لوگوں پر لازم ہے کہ وہ
اپنی موت کو اسلامی موت بنانے کے لئے بغاوت سے انحراف کر کے
حق کے راستہ صراط مستقیم پر گامزن ہوں۔

حدیث دوم :- عن عرفجۃ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم یقول انہ سیکون ھنات وھنات فمن اراد ان
یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً
من کان (رواہ مسلم) خلاصہ مفہوم حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب شر اور فسادات پیدا ہوں گے،
اب جو آدمی اس امت کے اتفاق میں رخنہ ڈالے گا اس کی گردن تلوار سے
اڑا دو خواہ وہ رخنہ ڈالنے والا بہت بڑا علامہ اور بہت بڑا شیخ کیوں
نہ ہو۔ یہ حدیث شریف بھی جمعیت کے اختلاف پر پوری طرح منطبق ہے
پاکستان کے اہل سنت علامہ نورانی کی قیادت پر مجتمع اور متفق تھے فریق مخالف
نے مع نام نہاد علماء ومشائخ کے اس اتفاق کو پارہ پارہ کیا لہٰذا یہ سب باغی اور گردن زدنی ہیں۔

امر پنجم زمانہ ماضی میں جب صدارت کے انتخاب پر محترمہ فاطمہ جناح
مرحومہ اور ایئر مارشل ایوب خان مرحوم کے درمیان مقابلہ ہوا تھا تو اس
وقت حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ نے محترمہ
فاطمہ جناح کے خلاف ایک فتویٰ تحریر کیا تھا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہو
سکتی یہ فتویٰ بندہ کے نزدیک بالکل حق تھا لیکن اس وقت کے علماء و مشائخ
جو کہ شیخ الاسلام کے تبحر علمی سے ناواقف اور بذاتہ علوم دینیہ سے جاہل
ہیں حضرت شیخ الاسلام کے فتویٰ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ فتویٰ موجودہ
وزیر اعظم جو کہ عورت ہے کے بھی خلاف ہے بندہ کے نزدیک یہ استدلال
باطل ہے۔ شیخ الاسلام کا فتویٰ عورت وزیر اعظم کے خلاف نہیں ہے
بلکہ حضرت شیخ الاسلام پر نرا بہتان ہے کیونکہ بندہ قبل ازیں دلائل سے ثابت
کر چکا ہے کہ یہ کہنا کہ عورت مطلقاً سربراہ نہیں ہو سکتی بالکل باطل اور غلط ہے
کیونکہ وہ سربراہ جو عورت نہیں ہو سکتی اس کی تین تعریف گزر چکی ہیں اور یہ
تینوں تعریفیں صرف صدر مملکت پر صادق آتی ہیں وزیر اعظم پر صادق نہیں
آتیں تو خلاصہ یہ ہے کہ عورت صرف صدر مملکت نہیں ہو سکتی اور وزیر اعظم ہو سکتی
ہے چونکہ محترمہ فاطمہ جناح صدارت کی امیدوار تھیں لہذا شیخ الاسلام کا فتویٰ
حق اور فاطمہ جناح کے خلاف ہے لیکن اس فتویٰ سے وزیر اعظم کے خلاف
استدلال کرنا حماقت ہے اور ان علماء و مشائخ مستدلین پر یہ آیۃ مبارکہ
صادق آتی ہے فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (الآیۃ) اب بندہ اس امر
پر چند دلائل مزید پیش کرتا ہے کہ بعض امور میں عورت سربراہ ہو سکتی ہے۔

دلیل اول۔ جنگ جمل حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی سربراہی میں
لڑی گئی اور اس جنگ میں عائشہ صدیقہ سربراہ لشکر تھیں اور ہزاروں فوجیوں

نے اپنی ماں کے قدموں میں جانیں قربان کر دیں ان میں صحابہ بھی تھے بلکہ بعض
صحابہ مبشرہ سے تھے اب اگر حضرت شیخ الاسلام کے فتویٰ کا یہ مطلب لیا
جائے کہ عورت مطلقاً سربراہ نہیں ہو سکتی تو پھر حضرت شیخ الاسلام کا فتویٰ
ام المؤمنین کے بھی خلاف ہوگا تو کیا ان خلوف نے حضرت شیخ الاسلام کی
توہین نہیں کی اور نادان دوستوں کا کردار ادا نہیں کیا؟ لیکن اگر شیخ الاسلام
کا فتویٰ صرف صدر مملکت پر محمول کیا جائے تو اب یہ فتویٰ ام المؤمنین رضی کی
سربراہی کے خلاف نہیں ہے۔

دلیل دوم فقہ میں مصرح ہے کہ عورت قاضیہ ہو سکتی ہے اور قاضی بھی
ان لوگوں کے لیے جن کا وہ قاضی ہے۔ سربراہ ہوتا ہے اور وہ لوگ اپنے
امور قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

امر ششم مخالفین علامہ نورانی پر چند احمقانہ سوال کرتے ہیں۔

سوال اول۔ عورت کی سربراہی کی حمایت کا یہ سوال بالکل غلط ہے۔ علامہ
شاہ احمد نورانی نے کبھی عورت کی سربراہی کی حمایت نہیں کی انہوں نے بارہا
اعلان کیا ہے کہ عورت کی سربراہی خلاف شرع اور غیر شرعی ہے لہذا یہ
اعتراض بہتان محض ہے۔

سوال دوم۔ عورت کے اقتدار کو طول دینے پر مشتمل بیانات پر سوال
بھی مثل اول لغو ہے۔ علامہ نورانی نے کوئی بیان ایسا نہیں دیا دراصل علامہ
نورانی صاحب نے یہ کہا ہے کہ عورت کی سربراہی غیر شرعی اور ناجائز ہے
لیکن عوام نے ووٹ کے ذریعہ عورت کو ہم پر مسلط کر دیا ہے اب اس عورت
سے چھٹکارا حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔ اول یہ کہ یہ عورت خود بخود
اس عہدہ سے مستعفی ہو جائے اور وہ اس پر تیار نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اس کو

پانچ سال کے لئے برداشت کر لیا جائے جیسا کہ اس کے باپ کو برداشت کیا گیا ہے۔ سوم یہ کہ اس کے خلاف بدامنی اور سول نافرمانی شروع کی جائے ملک اس وقت بدامنی کا متحمل نہیں ہے دشمنان پاکستان تاک میں ہیں کہ ملک بدامنی کا شکار ہو اور وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوں۔ لہٰذا علامہ نورانی نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے کہ اس عورت کو اپنی مدت پوری کرنے دیا جائے، اور یہ ایک معقول تجویز ہے بندہ مخالفین سے دریافت کرتا ہے کہ علامہ نورانی اور تم دونوں عورت کی حکمرانی کو غیر شرعی اور ناجائز خیال کرتے ہو یہ وجہ تو عورت کی حکمرانی کو طول دینے کی نہیں ہو سکتی۔ علامہ نورانی یہ فرماتے ہیں کہ یہ "بلا" ہمارے گلے میں پڑ گئی ہے لہٰذا اس کو اپنی مدت تک برداشت کرو اگر اس کو اقتدار کا طول کہا جاتا ہے تو بندہ مخالفین سے پوچھتا ہے کہ اس "بلا" سے چھٹکارا حاصل کرنے کا تمہارے نزدیک کیا طریقہ ہے اگر پانچ سال تک برداشت کرنا ہے تو پھر علامہ نورانی اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا جو اعتراض تم علامہ نورانی پر کرتے ہو وہی تم پر عائد ہوگا اور اگر چھٹکارا کا طریقہ بدامنی اور سول نافرمانی ہے تو یہ طریقہ تم نے ابھی تک اختیار نہیں کیا تو اب تم عورت کی حکمرانی کو طول دے رہے ہو۔ تم دوسروں کو قصور وار ٹھہراتے ہو قصور اپنا نکل آیا۔

سوال سوم۔ علامہ نورانی کے دور صدارت میں جمعیت علماء پاکستان میں افتراق اور انتشار پیدا ہوا ہے اس سوال میں بھی کوئی معقولیت نہیں ہے علامہ نورانی نے اصولوں پر کبھی سودا بازی نہیں کی۔ جن لوگوں نے جمعیت کے اصولوں کو پامال کیا ہے اور ذاتی مفادات اور پلاٹ حاصل کرنے کے لئے حکومت کی چاپلوسی کی اور حکومت کو خوش کرنے کے لئے فتوے تحریر کئے "علامہ شاہ احمد نورانی کا تو فرض تھا کہ ایسے خود غرضوں سے جواب طلبی کرتے اور ان کو اس جرم

کی سزا دیتے اس کو افتراق اور انتشار کہنا سراسر زیادتی ہے علامہ شاہ احمد نورانی کی قیادت پر اہل سنت کا اتفاق تھا علامہ نورانی عاملہ شوریٰ اور خادمین کے صرف منتخب صدر ہی نہ تھے بلکہ متفقہ صدر تھے علامہ نورانی کے حاسدوں نے بغاوت کی اور جمعیت علماء پاکستان بلکہ اہل سنت کے اتفاق کو پارہ پارہ کیا اور آیۂ کریمہ اور حدیث شریف۔ مذکورہ بالا کا مصداق بنے۔ اور بغاوت کی یہ حد کر دی کہ علامہ نورانی کو غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور پر معزول کر کے خود غیر آئینی صدر بن بیٹھے لاہور کے جس اجلاس میں یہ غیر آئینی حرکت کی گئی اس میں عاملہ اور شوریٰ کے زیادہ سے زیادہ ۱۰ یا ۱۱ اراکین تھے اور اس کے بعد راولپنڈی میں علامہ نورانی کی نگرانی میں جو اجلاس ہوا اس میں عاملہ اور شوریٰ کے تقریباً ۹۴ اراکین شامل تھے جنہوں نے علامہ نورانی کی قیادت پر مکمل اعتماد کیا اور پھر اس کے بعد ملتان شریف میں جو خادمین کا کنونشن ہوا اس میں دس ہزار سے زیادہ خادمین نے شرکت کی اور بڑے والہانہ اور جذباتی طور پر علامہ شاہ احمد نورانی پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ ایسی حالت میں علامہ نورانی کو معزول کرنا تمام قواعد کی مٹی پلید کرنا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی صوبہ کا وزیر اعلیٰ اپنے صوبائی اراکین کا اجلاس طلب کر کے صدر پاکستان کو معزول کر دے اور پھر صوبائی وزیر اعلیٰ کو صوبائی اراکین صدر پاکستان منتخب کر لیں۔ علامہ نورانی کی معزولی کچھ اس قسم کی ہے۔ لہٰذا انتشار اور افتراق کے مجرم یہ مخالفین اور حاسدین ہیں نہ کہ علامہ شاہ احمد نورانی۔

سوال چہارم ایک عورت کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات۔ یہ بات درست ہے کہ علامہ نورانی نے وزیر اعظم کے ساتھ ملاقات کی ہے اور اس میں مولانا نورانی منفرد نہیں ہیں سینکڑوں مرد اپنی ضروریات کے لئے وزیر اعظم سے ملاقات کرتے ہیں اور یہ معمول ہے اور پھر یہ ملاقات علیحدگی میں نہیں تھی بلکہ وزیر اعظم کے

مشیر اور وزیر اور علامہ نورانی کے کئی احباب بھی اس ملاقات میں موجود تھے جیسا کہ
اخبارات اس پر شاہد ہیں لہٰذا اس ملاقات کو افسوس ناک کہنا بذاتہ افسوسناک
ہے۔ نیز علامہ نورانی کی یہ اجتماعی ملاقات اس لئے تھی کہ وزیر اعظم کو اس کی
کوتاہیوں اور خرابیوں پر مطلع کیا جائے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے
قبیلے سے ہے اور اس حدیث شریف پر عمل ہے جس کا معنی اس طرح ہے کہ افضل
جہاد حکمران جابر کے سامنے کلمہ حق بیان کرنا ہے۔

سوال پنجم علامہ نورانی نے بارہا صدارت چھوڑنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے لہٰذا
ان کو مناسب ہے کہ کسی اور صاحب کی صدارت قبول کر لیں۔ اس سوال کا جواب
یہ ہے کہ علامہ نورانی کو جس صاحب کی صدارت قبول کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے وہ
صاحب باغی اور غیر آئینی صدر ہیں اور انہوں نے امت مجتمعہ میں افتراق اور انتشار
پیدا کیا ہے اگر علامہ نورانی اس صاحب کی غیر آئینی صدارت قبول کر لیں تو علامہ نورانی
کا یہ فعل غیر آئینی ہو گا لہٰذا علامہ نورانی کو غیر آئینی فعل کا مشورہ دینا یہ قابل مذمت ہے
اس کے مقابلہ میں بندہ مخالفین کو ایک آئینی مشورہ پیش کرتا ہے وہ یہ کہ جمعیت میں
اختلاف سے قبل دسمبر ۱۹۸۹ء میں ہر دو فریق کا لاہور میں مشترکہ اجلاس ہوا اور
متفقہ طور پر طے ہوا کہ مئی ۱۹۹۰ء میں جمعیت علماء پاکستان کے ہر سطح پر نئے انتخاب
ہوں گے اور مرکزی انتخاب بھی اس میں داخل ہے چونکہ باغی گروہ بھی اس سے
متفق تھا لہٰذا اس کو چاہیئے کہ مئی کے انتخاب میں آئینی طور پر حصہ لے اور جمعیت
کے ووٹروں کے ساتھ رابطہ پیدا کر کے اکثریت کو اپنا ہمنوا بنا کر اپنا صدارت کا
امیدوار کھڑا کرے اور صدارت کا انتخاب جیت کر آئینی طور پر علامہ نورانی کو اس
عہدہ سے علیٰحدہ کر کے جمعیت کا متفقہ صدر ہو جائے اگر فریق مخالف کا یہ خیال ہے
کہ جمعیت کی اکثریت اس کے ساتھ ہے تو اس کو بندہ کا یہ مشورہ قبول کر لینا چاہیئے

اور حکم خداوندی (فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الیٰ امر اللّٰہ) کا مصداق بن جائے
اور اگر فریق مخالف نے بندہ کا یہ مشورہ قبول نہ کیا تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ فریق مخالف
کو جمعیت کی اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں ہے اور وہ چور دروازہ سے صدارت پر
قابض ہونا چاہتا ہے۔ یہاں تک بندہ نے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو
فریق مخالف کی طرف سے کئے گئے ہیں۔

امر مہتم آج کل یہ بحث زوروں پر ہے کہ عورت سربراہ نہیں ہو سکتی بندہ
عرض کرتا ہے کہ یہ امر بالکل درست اور حق ہے کہ عورت کا سربراہ مملکت اور صدر مملکت
ہونا شرع شریف میں ناجائز ہے اس پر کتب مذہب میں جو دلیل دی گئی ہے وہ یہ ہے
شرح عقائد نسفی میں ہے (ان النساء ناقصات عقل و دین) شرح مواقف
میں ہے (یجب ان یکون عدلاً بالغاً عاقلاً ذکراً اذا النساء ناقصات
عقل و دین) خلاصہ ہر دو عبارت کا یہ ہے کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذکر
ہو کیونکہ عورتیں عقل اور دین ہر ایک میں ناقص ہیں تو امام ایسا نہیں ہو سکتا۔
مگر آج کل عورت کے سربراہ نہ ہونے پر یہ حدیث شریف دلیل کے طور پر پیش
کی جاتی ہے۔ (لن یفلح قوم ولّوا علیھم امرأۃ رواہ البخاری) خلاصہ
ترجمہ حدیث شریف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم
کبھی فلاح اور نجات نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنے اوپر مسلط کیا۔ اس
استدلال پر بندہ کو اعتراض ہے وہ یہ کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
جب جنگ جمل میں لشکر کی قیادت فرما رہی تھیں اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم
بھی آپ کی حمایت کر رہے تھے تو اس حدیث شریف مذکورہ بالا کے راوی سے کسی
نے پوچھا کہ تم ام المؤمنین کی حمایت کیوں نہیں کرتے تو اس راوی نے جواب دیا کہ میں
اس حدیث مذکورہ بالا پر عمل کر کے حمایت سے قاصر ہوں تو اس جواب سے واضح

ہوگیا کہ وہ راوی حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اس حدیث کا مصداق خیال کرتا تھا حالانکہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا علم اس راوی سے زیادہ تھا اور آپ مجتہدہ تھیں تو ظاہری طور پر یہ حدیث بھی آپ کے علم میں ہوگی تو اگر حدیث شریف مذکورہ بالا کا وہی معنی تھا جو راوی نے سمجھا تھا تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی ضرور اس حدیث شریف پر عمل کرتیں اور جنگ جمل میں شریک نہ ہوتیں تو معلوم ہوا کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے نزدیک اس حدیث شریف کا وہ معنی نہیں تھا جو راوی نے سمجھا تو راوی کا اس حدیث سے استدلال درست نہ ہوا تو آج کل کے مستدلین کا اس حدیث سے استدلال کیسے درست ہوگا تو اب حدیث شریف کا صحیح مطلب یہ ہوگا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی نہ کہ مطلق سربراہ اور قبل ازیں گذر چکا ہے کہ جنگ جمل کے وقت ام المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا سربراہ مملکت نہ تھیں بلکہ سربراہ مملکت حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نیز اگر یہ حدیث شریف حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے خلاف ہوتی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ضرور اس سے استدلال کرتے کیونکہ یہ حدیث شریف ان کے مدعی کے مطابق تھی جیسا کہ راوی نے استدلال کیا تھا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث شریف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک بھی قابل استدلال نہ تھی بعض لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث شریف ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن سے اس وقت اتر گئی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ بالا حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کے تو حق میں تھی وہ اس سے استدلال فرماتے اور یہ کہنا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ذہن سے بھی اتر گئی بالکل غیر معقول ہے بلکہ یہ ہر دو تو اکابرین اور علماء اعلام سے ہیں ایسے موقع پر عوام کو بھی حدیثیں یاد آجاتی ہیں جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق یہ حدیث تھی

تقتلك الفئة الباغية) یعنی تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا تو جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے آدمیوں نے حضرت عمار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قتل کیا تو سب لوگوں کو یہ حدیث یاد آگئی اور تمام لشکر میں کہرام مچ گیا کہ اب حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہوگیا اور لوگ دوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آگئے اور ان کے خلاف اس حدیث سے استدلال کیا اور پھر امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس حدیث کا جواب دینا پڑا جو کہ شروح احادیث میں مذکور ہے،

امر ہفتم اس مضمون کے ابتداء میں بندہ نے امامت کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور اس میں بیان کیا کہ عورت تو بالکل سربراہ نہیں ہوسکتی باقی رہا مرد تو ہر مرد سربراہ مملکت نہیں ہوسکتا البتہ بعض وہ مرد جو سربراہ مملکت ہوسکتے ہیں ان کے لئے چند ان شرائط ہیں جو مرد ان شرائط کا جامع ہے وہ سربراہ مملکت بن سکتا ہے اور جو جامع نہیں ہے وہ شرعی امام نہیں ہے بلکہ باغی سلطان ہے اور آج تک پاکستان میں کوئی مرد قریشی اور شرعی امام نہیں ہوا اور شریعت مطہرہ سے ناواقفی کی بناء پر کسی عالم اور پیر اور شیخ نے اس پر نہ کوئی اعتراض کیا اور نہ امن و امان کا مسئلہ پیدا کیا حالانکہ امام کا قریشی ہونا حدیث متواتر سے ثابت ہے جس کا انکار ایمان کے ضیاع کا سبب ہے اور یہ خبر واحد سے ثابت ہے کہ امام اور سربراہ مملکت کوئی عورت نہیں ہوسکتی اور حیرت ہے کہ عورت کے خلاف تو پاکستان میں علماء اور مشائخ نے شور اور غوغا مچا رکھا ہے اور جو حدیث متواتر کے خلاف ہے اس کو اپنا امام تسلیم کر رکھا ہے اور یہ (تؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض) کی زندہ مثال ہے قبل ازیں بندہ نے جو تحقیق کی وہ علم کلام کی کتابوں سے ماخوذ ہے اور چونکہ در اصل یہ مسئلہ علم فقہ سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا اب اس مسئلہ پر علم فقہ سے کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ در مختار میں ہے

الامامة صغریٰ وکبریٰ فالکبریٰ استحقاق تصرف عام علی
الانام وتحقیقه فی علم الکلام ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه
علیٰ دفن صاحب المعجزات ویشترط کونه مسلماً حراً ذکراً
عاقلاً بالغاً قادراً قرشیاً لا هاشمیاً علویاً معصوماً ویکره
تقلید الفاسق ویعزل به الا لفتنة ویجب ان ید عی له
بالصلاح وتصح سلطنة المتغلب للضرورة) اس عبارت کا کچھ
حصہ قبل ازیں گذر چکا ہے عبارت کا مختصر ترجمہ ملاحظہ ہو۔ امامت دو قسم کی ہے
چھوٹی امامت اور بڑی امامت چھوٹی امامت تو نماز کی امامت ہے اور امامت
کبریٰ کی تعریف یہ ہے کہ جس کو یہ حق حاصل ہو کہ اپنے ملک کے تمام لوگوں پر اس کا
تصرف عام ہو اور اگرچہ یہ علم فقہ کا مسئلہ ہے لیکن اس کی تحقیق علم کلام میں ہے
علامہ شامی نے اپنے حاشیہ میں عقائد نسفی کی عبارت مذکورہ بالا نقل کی ہے
اور تقرر امام بڑے اہم اور اعلیٰ واجبات سے ہے اسی لئے صحابہ کرام نے اس
کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دفن پر مقدم کیا حالانکہ اس سانحہ کی
وجہ سے ان کے ہوش وحواس اڑ چکے تھے۔ اور امام   کے لئے دس شرائط
ہیں۔ سات ایجابی اور تین سلبی۔ ایجابی شرائط اول مسلمان ہو دوم آزاد ہو،
سوم۔ مذکر اور مرد ہو، چہارم عقل مند ہو، پنجم بالغ ہو، ششم قادر ہو یعنی تنفیذ احکام
اور دارالاسلام کی حفاظت پر قادر ہو، ہفتم قوم قریش سے ہو۔ شرائط سلبی اول
امام کا ہاشمی ہونا ضروری نہیں امام غیر ہاشمی بھی ہو سکتا ہے دوم امام کے لئے یہ
ضروری نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اولاد سے ہو۔ سوم امام
کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ گناہ سے پاک ہو اور اس کو گناہ کی طاقت ہی
نہ ہو یہ دس شرائط ہیں کہ ان کا امام میں ہونا ضروری ہے۔ اور فاسق کو امام مقرر

کرنا مکروہ ہے اور اگر تقرر کے وقت تو عادل تھا لیکن بعد میں فاسق ہو گیا تو خود بخود
معزول نہیں ہوگا البتہ وہ اس امر کا مستحق ہے کہ معزول کیا جائے اور اگر فاسق
کے معزول کرنے میں فتنہ اور فساد کا خوف ہو تو اس کے خلاف بغاوت نہ کی جائے
بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ اسے ہدایت دے اور وہ راہ راست پر آجائے
یہ بات علامہ شامی نے اپنے حاشیہ میں ذکر فرمائی ہے۔ اس کے بعد علامہ شامی
نے ان شرائط پر دلائل ذکر کئے کہ مسلمان ہونا اس لئے ضروری ہے کہ کافر مسلمانوں کا
والی نہیں ہو سکتا اور آزاد ہونا اس لئے ضروری ہے کہ عبد اور غلام اپنی ذات کا والی
نہیں ہے تو وہ غیروں کا والی کیسے ہو سکتا ہے اور عاقل اور بالغ ہونا امام کے لئے
اس لئے شرط ہے کہ اگر عاقل نہیں ہے تو مجنون ہوگا اور اگر بالغ نہیں ہے تو صبی اور
طفل ہوگا اور یہ ہر دو بھی اپنے نفس کے والی نہیں ہوتے تو غیر کے والی کس طرح
ہوں گے اور مذکر اور مرد ہونا اس لئے شرط ہے کہ اگر عورت ہوگی تو عورت کو پردہ
کا حکم ہوگا اور یہ بھی کہ وہ گھر کی چار دیواری کے اندر ہے اور امام کے فرائض میں
یہ داخل ہے کہ وہ باہر ظاہر جگہ پر بیٹھے تاکہ مظلوم اور فریادی اس تک پہنچ سکے۔
نیز امام میدان جنگ میں فوج کے سامنے ہوگا اور ان چیزوں سے عورت معذور
ہے اور امام کے لئے قریشی ہونا اس لئے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا کہ تمام امام قریش سے ہوں گے اور غیر قریش سے امام نہیں ہو سکتا۔
اور یہ حدیث متواتر ہے کہ جس کے انکار سے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے
اور اسی حدیث کی وجہ سے انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم   اپنے حق خلافت سے
دستبردار ہو گئے اور عہدہ خلافت قریش کے سپرد کر دیا۔ علامہ شامی کے حوالے سے جو
بات بندہ نے ذکر کی ہے کہ فاسق سربراہ کے خلاف خروج اور بغاوت شرعاً منع
ہے بلکہ اس فاسق کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ

اس کو اس فسق سے توبہ کرنے کی توفیق دے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آج کل جو حکومت
کے خلاف جلوس وغیرہ نکالے جاتے ہیں اور بسا اوقات شدید قسم کی بدامنی پیدا ہوتی
ہے یہ شرعاً ناجائز ہے اور اس کی وجہ حکومت کی چاپلوسی کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی
وجہ یہ ہے کہ کفار اور دشمنان اسلام اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ملک
دار الاسلام پر قبضہ کرنے کا ہم کو موقع ملے جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ملک میں
بدامنی ہے پھر ان کو مداخلت کا موقع ملتا ہے تو اس بدامنی اور جلوسوں کا نتیجہ یہ نکلے گا
کہ فاسق حاکم تو راہ راست پر آئے گا یا نہ ہم اپنا ملک گنوا دیں گے آگے چل کر در مختار
میں ہے کہ جو متغلب ہے اور اس کو مسلمانوں نے منتخب نہیں کیا بلکہ ڈنڈے
کے زور سے مسلمانوں کے ملک پر قابض ہو گیا جیسا کہ آج کل مارشل لا ہوتا ہے
تو ضرورت کے وقت اس کی سلطنت صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر
اس کے خلاف بغاوت کی گئی تو فتنہ برپا ہوگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ
حدیث شریف میں ہے کہ اگر تمہارا امیر عبد اور حبشی ناک کٹا ہو تو اس کی بات
بھی سنو اور اس کی اطاعت کرو یہاں تک شرائط ایجابی کے دلائل کا ذکر ہوا
اس کے بعد علامہ شامیؒ نے شرائط سلبیہ کا ذکر فرمایا کہ ہاشمی کی نفی کر کے شیعہ کا رد
کیا ہے کیونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ محض قریشی ہونا امام کے لئے کافی نہیں بلکہ یہ ضروری ہے
کہ امام قریشی ہاشمی ہو اور شیعہ نے جو ہاشمی کی شرط لگائی ہے تو ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ
فاروقؓ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالے عنہم کی امامت کی نفی کرنی ہے کیونکہ یہ تینوں
حضرات ہاشمی نہیں ہیں اگرچہ قریشی ہیں تو ہاشمی کی شرط بڑھا کر ان تینوں کی خلافت
کی نفی کرنی ہے اب شیعہ پر اعتراض ہوا کہ بنو عباس قریشی ہاشمی تھے لیکن تم ان کی
امامت کے قائل نہیں ہو تو اس اعتراض سے بچنے کے لئے انہوں نے ایک اور
شرط لگائی کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مولا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی

اولاد سے ہو تو اب بنو عباس کی امامت کی نفی ہو گئی کیونکہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی اولاد سے نہیں ہیں اور اہل سنت کے نزدیک امام کے لئے صرف قریشی ہونا
شرط ہے ذکر ہاشمی اور علوی ہونا اور شیعہ امامیہ کے نزدیک امام کا معصوم ہونا شرط
اور اہل سنت کے نزدیک یہ شرط نہیں لہذا اس کی نفی کر دی۔

امر ہشتم بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ بندہ کے اس مضمون میں کچھ تلخی اور
تیزی کا عنصر ہے اور معاصرین اس پر یہ اعتراض کریں گے کہ اس فقیر نے بے باکی کا مظاہرہ
کیا ہے اور علماء و مشائخ کی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے اور اس کے چند جواب قبل ازیں
گزر چکے ہیں اور بندہ نے قبل ازیں وعدہ کیا تھا کہ اس اعتراض کا ایک اور جواب
آخر میں آئے گا اب بندہ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے اس جواب کو یہاں ذکر
کرتا ہے وہ یہ کہ احکام الٰہیہ اور فرمان حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں
بے باکی اس فقیر نے حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ العزیز
سے سیکھی اس کی تفصیل یہ ہے۔

یہ فقیر ساڑھے آٹھ سال دربار عالیہ سیال شریف میں خدمت تدریس علوم
اسلامیہ دیتا رہا ہے اس وقت موجودہ جدید دار العلوم کسی کے خواب و خیال میں بھی
نہیں تھا بندہ اور طلباء آستان شریف کی کوٹھڑیوں میں رہتے تھے اور گرمیوں
میں کمروں سے باہر لمبی چارپائیاں بچھا کر سوتے تھے کوئی بجلی نہیں تھی لالٹینوں کی
روشنی پر مطالعہ کرتے تھے دربار عالیہ پر بندہ صرف ایک مدرس تھا چونکہ کوئی علیحدہ
مفتی نہیں تھا فتویٰ کا کام بھی بندہ کے سپرد تھا حضرت شیخ الاسلام کو علوم دینیہ پر
پوری دسترس تھی اور بلند پایہ فقیہ تھے بندہ اور شیخ اسلام کا کئی مسائل پر شدید اختلاف
ہو جاتا تھا لیکن آپ اس اختلاف کو بڑی خندہ پیشانی سے صرف برداشت ہی نہ
کرتے تھے بلکہ خوش ہو کر فرماتے کہ اس اختلاف سے مسئلہ کی پوری تحقیق ہو جاتی ہے

اور موافق مخالف دلائل سب سامنے آجاتے ہیں اس اختلاف کے باوجود عمل بندہ کے فتویٰ پر ہی ہوتا تھا میری گستاخی کی یہ حد تھی کہ میں طالب علموں کے سامنے آپ کے خلاف دلائل دیتا تھا اور علماء بھی اس گستاخی پر حیرت کا اظہار کرتے تھے کہ بندہ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیئے لیکن حضرت شیخ الاسلام محسوس تک نہیں فرماتے تھے حضرت شیخ الاسلام کی اس عالی حوصلگی سے بندہ کے اندر حق گوئی کی جرأت پیدا ہوئی اور حق بیان کرنے میں کبھی مداہنت نہ کی یہاں بندہ صرف چند مثالیں پیش کرتا ہے۔

مثال اول۔ ضلع سرگودھا کے دو بڑے زمیندار تھے اور دونوں سیال شریف کے مرید تھے ان کے درمیان جائیداد کا جھگڑا تھا جو کروڑوں روپے مالیت کی تھی انہوں نے حضرت شیخ الاسلام سیالوی کو شرعی ثالث مقرر کیا اور اس فقیر کو فرمایا کہ تم بمنزلہ سرکاری وکیل کے ہو تم میری مدد کرنا جب ان سے ایک فریق نے یہ معلوم کیا کہ حضرت شیخ الاسلام اس فقیر کی بات پر زیادہ توجہ فرماتے ہیں تو اس فریق نے بندہ کے ساتھ علیحدہ ملاقات کی اور بڑی رشوت کی پیشکش کی تو بندہ نے یہ کہہ کر پیشکش ٹھکرا دی کہ شیخ الاسلام جب کوئی بات مجھ سے پوچھتے ہیں تو پہلے کلمہ شریف پڑھواتے ہیں اب میں کلمہ پڑھ کر کیسے غلط مشورہ دے سکتا ہوں اور اگر میں بالفرض غلط مشورہ دوں تو چونکہ شیخ الاسلام مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں وہ فوراً فرما دیں گے کہ تم غلط مشورہ دے رہے ہو تو پھر مجھکو اس سے کیا فائدہ ہوگا جب حضرت شیخ الاسلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور تحسین فرمائی اس کے بعد اس فقیر پر ان کی شفقت زیادہ ہو گئی۔

مثال دوم۔ سیال شریف کا ایک آدمی تھا جو حضرت شیخ الاسلام کی زرعی زمینوں کا انچارج تھا اس کے ایک لڑکے کی شادی تھی جب شادی کی

تاریخ مقرر ہوئی تو عورتوں نے شیخ الاسلام کو آکر کہا کہ اس لڑکے کی جس لڑکی کے ساتھ شادی ہو رہی ہے دونوں نے فلاں عورت کا دودھ پیا ہے اور یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں تو حضرت شیخ الاسلام نے اس کا تذکرہ بندہ کے ساتھ کیا۔ اور میری رائے دریافت کی تو بندہ نے عرض کیا چونکہ دودھ کی گواہ صرف عورتیں ہیں ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے لہٰذا ان کی شہادت کو قبول نہیں کیا جا سکتا تو شیخ الاسلام نے میری رائے کے خلاف دلائل دیئے لیکن بندہ نے وہ دلائل ماننے سے معذوری ظاہر کر دی۔ تو حضرت شیخ الاسلام خاموش ہو گئے جب شادی کا دن آگیا اور شادی والوں کے گھر ڈھول اور باجے بجنے لگے تو حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ اگر اب بھی تم اپنی رائے بدل لو اور دودھ کا فتویٰ دے دو تو میں ابھی جا کر شادی بند کرا دوں لیکن میں نے اپنی رائے تبدیل کرنے سے معذوری ظاہر کر دی اور وہ شادی بخیر و خوبی سرانجام پائی۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے ان عادات و اخلاق نے بندہ کے اندر حق گوئی کی جرأت پیدا کی تو جب حضرت شیخ الاسلام کی قدآور شخصیت بندہ کے لئے بیان حق سے مانع نہ ہوئی تو آجکل کے مخصوص علماء و مشائخ کا احترام بندہ کے لئے حق گوئی سے کیسا مانع ہو سکتا ہے اس حق گوئی کے باوجود وہ علماء و مشائخ جو فرقہ نانیہ کی تائید و حمایت کے لئے دو دو لاکھ روپے کو اہم میں اکٹھے ہوتے بندہ ان کا پورا پورا احترام کرتا ہے اور مذکورہ بالا حق گوئی ان کے احترام کے منافی نہیں ہے بلکہ جو کچھ تحریر کیا گیا اس کی بناء خیر خواہی پر ہے

مثال سوم۔ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر تھے اور ہر دور کے صدور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے بندہ نے ایک دفعہ آپ کو عرض کیا کہ آپ اعلیٰ حکام پر کیوں زور نہیں دیتے کہ وہ پاکستان میں نظام مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نافذ کریں تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے ہر دور

کے صدروں پر پورا دباؤ ڈالا ہے لیکن وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نظام شریعت نافذ
کرنے پر تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ پاکستان کے تمام مکاتب فکر ایک متفقہ اسلامی
آئین ہمارے سامنے پیش کریں کیونکہ اگر حکومت ایک مکتبہ فکر کا اسلامی آئین
نافذ کرے تو دوسرے مکاتب فکر بدامنی اور امن و امان کا مسئلہ پیدا کر دیں گے
شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میرے پاس حکومت کی اس شرط کا کوئی جواب نہیں ہے
بندہ نے حضرت شیخ الاسلام کو ایک جواب عرض کیا جس کو آپ نے پسند فرمایا بندہ
نے یہ جواب دیا کہ جو سیاسی پارٹیاں ہیں ان کے اپنے اپنے منشور ہیں جو کہ مذہبی منشور
نہیں ہیں بلکہ سیاسی منشور ہیں اور یہ پارٹیاں اپنے اپنے علیحدہ منشور ترک کر کے
ایک منشور پر متفق ہونے پر تیار نہیں ہیں تو مسلمانوں کے مکاتب فکر جن کی مدار مذہب
پر ہے وہ اپنا اپنا مذہب چھوڑ کر ایک مذہب پر کیسے متفق ہو سکتے ہیں متفقہ اسلامی
آئین اس وقت پیش کیا جا سکتا ہے جب ہر مکتبہ فکر اپنا مذہب اور دین چھوڑنے
پر تیار ہو۔ اور یہ عادۃً محال ہے دراصل حکومت کا یہ ایک بہانہ ہے کہ پاکستان
میں نظام شرعی نافذ نہ ہو سکے کیونکہ نہ مذہبی پارٹیاں اپنا اپنا مذہب ترک کریں گی
اور نہ متفقہ آئین تیار ہوگا اور حکمران بڑے آرام سے حکومت کرتے رہیں گے جب
ان کو کوئی اسلامی آئین کے متعلق کہے گا تو وہ مکاتب فکر کو بدنام کریں گے کہ ہم تو نفاذ
اسلام کے لئے تیار ہیں مسلمانوں کے یہ مذہبی مکاتب فکر کسی ایک آئین پر متفق
نہیں ہوتے اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ یہ جمہوریت کا دور ہے کئی انتخابی ادارے
ہیں جو کہ بنیادی جمہوریت کے انتخاب سے شروع ہوتے ہیں اور مرکزی اسمبلی کے
انتخاب تک جاتے ہیں اس کے بعد صدر مملکت اور وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ کا انتخاب
ہوتا ہے اب سب کی مدار جمہوریت اکثریت پر ہے انتخاب میں وہی کامیاب قرار دیا
جائے گا جس نے اکثریت سے ووٹ حاصل کئے ہوں کسی مرحلہ پر یہ شرط نہیں

ہے کہ کامیاب وہ ہوگا جس کو اپنے حلقہ انتخاب میں تمام ووٹ حاصل ہوں مثلاً وزیر اعظم وہ
ہوگا کہ مرکزی اسمبلی کے تمام اراکین اس پر متفق ہوں تو بندہ عرض کرتا ہے کہ نظام مصطفےٰ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ میں یہ جمہوری اور اکثریت والا طریقہ کیوں اختیار
نہیں کیا جاتا پاکستان میں جس مکتبہ فکر کی اکثریت ہے کتاب و سنت کا نظام اس
مکتبہ فکر کی تشریح کے مطابق نافذ کیا جائے غور کریں اکثریت دو قسم ہے اول سادہ
اکثریت دوم دو تہائی اکثریت پاکستان میں حنفی مذہب کے پیروکاروں کی اکثریت
ہے سادہ اکثریت تو واضح ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کے لیے دو تہائی
اکثریت ضروری ہے تو حنفی مذہب یہ شرط پوری کرنے کے لئے تیار بھی ہے کیونکہ
پاکستان میں دو بڑے مکتب فکر ہیں۔ علماء بریلوی اور علماء دیوبند یہ دونوں حنفی مذہب
کے پیروکار ہیں اگر ان ہر دو کو اکٹھا کیا جائے تو دوسرے مکاتب فکر آٹے میں
نمک کے برابر بھی نہیں ہیں صدر ضیاء الحق مرحوم نے اپنی صدارت کے تحفظ کے لئے
ریفرنڈم کرایا تھا کیا اسلامی آئین کے نفاذ کے لئے ریفرنڈم نہیں کرایا جا سکتا حکومت
کا یہ کہنا کہ ایک مکتبہ فکر جو کہ اکثریت میں ہے کی تشریح کے مطابق اگر نظام اسلام نافذ
کیا جائے تو اقلیتی فرقہ بدامنی پیدا کرے گا تو حکومت کا یہ عذر بھی غیر معقول اور نامقبول
ہے کیونکہ اقلیتی فرقہ کو سمجھایا جا سکتا ہے کہ یہ جمہوریت کا دور ہے جب آپ لوگ اپنی
اکثریت ثابت کر دیں گے تو پھر اسلامی آئین میں آپ کی تشریح کو قبول کر کے آپ کا
پسندیدہ آئین نافذ کر دیا جائے گا اور پھر دوسرے مکاتب فکر کو اس پر کوئی اعتراض
نہ ہوگا تو اس جواب سے اقلیتی فرقہ ضرور مطمئن ہو جائے گا۔ اور بدامنی کا خطرہ پیدا نہ ہوگا
اس کی مثال یہ ہے کہ وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کے انتخاب کے لئے جب اسمبلی میں
ووٹنگ ہوتی ہے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ وہ ہوگا جس پر ساری اسمبلی
متفق ہو کیونکہ اگر اکثریت کی بناء پر وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کا انتخاب ہو تو جو ارکان اسمبلی

اقلیت میں ہیں جس کو اپوزیشن کہا جاتا ہے یہ بدامنی پیدا کریں گے تو یہاں بھی اقلیت اور اپوزیشن کو یہی کہا جائے گا کہ تم اسمبلی میں اکثریت ثابت کرو تو وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ بھی آپ کے فرقہ سے لئے جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ اسمبلیوں اور وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کے انتخاب اور نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفاذ بالکل ایک طرز پر ہیں تو جب اسمبلیوں اور وزراء کے انتخاب کی مدار اکثریت پر ہے تو نظام اسلام کے نفاذ میں اس اکثریت کو کیوں اپنایا نہیں جاتا اور حکومت کا یہ عذر کہ جب تک تبلیغی مکاتب فکر متفق نہ ہوں آئین اسلامی نافذ نہیں کیا جا سکتا تو یہ اس طرح ہے جیسا اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل میں مستقل ارکان کو ویٹو پاور کا اختیار ہے مطلب یہ کہ سلامتی کونسل کے سینکڑوں ارکان ہیں لیکن اگر یہ سارے کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو کونسل کے مستقل ارکان سے صرف ایک مثلاً امریکہ یا روس اکثریت کی رائے کو مسترد کر کے اکثریت کی رائے کو غیر مؤثر اور بے اثر کر سکتا ہے جس کو ویٹو کہا جاتا ہے تو اسی طرح حکومت پاکستان اقلیتی مکاتب فکر کو ویٹو کا اختیار دے کر اکثریت کو غیر مؤثر کرنا چاہتی ہے جو کہ بالکل غیر معقول اور نامقبول ہے۔

حررہ الفقیر عطا محمد چشتی گولڑوی بندیالوی عفی عنہ
۲۷ شوال سنہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۹۰ء و مطابق ۱۰ جیٹھ ۲۰۴۷